اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

سہ ماہی برقی مجلہ جلد/1 شمارہ/4 (اکتوبر، نومبر، دسمبر) 2024ء

پیغام حیات

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ، اتَّقُوا اللَّهَ وَإِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ، فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا مَا أَقَامَ لَكُمْ كِتَابَ اللَّهِ)

لوگو! اللہ سے ڈرو، اور اگر کان کٹا ہوا حبشی غلام بھی تمہارا حاکم بنادیا جائے تو اس کی بات مانو اور اس کی اطاعت کرو جب تک وہ تمہارے لئے کتاب اللہ کو قائم کرے۔ (جامع الترمذي 1706 صحیح)

زیرِ نگرانی

آزاد ہند ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ

 ahindeduweltrust8623@gmail.com Regd 86/23

پیغام حیات

ملک کے موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں

——— • مدیر

اس وقت ملک ہندوستان جن حالات سے گذر رہا ہے وہ ہم سب کی نگاہوں کے سامنے ہے، ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی، بیروزگاری، رشوت خوری، عدالتوں میں ناانصافی، لڑکیوں کے ساتھ اجتماعی عصمت دری، قتل و خوں ریزی، دلتوں اور اقلیتوں پر ظلم و تشدد عام ہے، حکومت کے غلط فیصلوں اور غلط رویوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی منشا ملک کو ترقی کے بجائے تنزلی کی طرف جاتا ہے، بطور خاص حکومت کا مسلمانوں کے ساتھ جو دوہرا رویہ ہے وہ انتہائی گھناؤنا ہے، پورے شد و مد اور منصوبہ بندی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے پر تلی ہوئی ہے، مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کے دلوں میں اس قدر زہر گھول دیا گیا ہے کہ ہندو مسلمانوں کا نام سنتے اور دیکھتے ہی مشتعل ہو جاتے ہیں اس لیئے آئے دن کوئی نہ کوئی دل خراش واقعات سننے کو ملتے ہیں، ایک سانحہ کا زخم مندمل نہیں ہو پاتا تب تک دوسرا سانحہ دستک دیئے کھڑا رہتا ہے، مسلم نوجوانوں کی ماب لنچنگ، علماء اور ائمہ مساجد کا قتل، اپنے حق کے لیے آواز اٹھانے والوں کے گھروں کو مسمار کرنا، گئو رکشا کے نام پر معصوم لوگوں پر الزام لگا کر ان کے ساتھ گھناؤنا سلوک کرنا، یہ اور اس جیسے ظلم و ستم آئے دن مسلمانوں کے اوپر ڈھائے جا رہے ہیں جنھیں سن کر جگر کانپ جاتا ہے، حکومت ظالموں کو سزا دینے کے بجائے الٹا حمایت کرتی ہے، مظلوم اپنی مظلومیت کا رونا روتا ہے اور انصاف کی گہار لگاتا ہے پر انصاف کا دعویٰ کرنے والے اندھے اور گونگے بنے بیٹھے رہتے ہیں۔

مسلمانوں پر ہو رہے مظالم صرف جسمانی تشدد تک ہی محدود نہیں بلکہ حکومت شرعی معاملات میں بھی بے جا مداخلت کرتی ہے، آئے دن کوئی نہ کوئی قانون نافذ کرنے کی کوشش کرتی ہے جو اسلامی احکامات کے مخالف رہتا ہے، چاہے مساجد پر قبضہ ہو یا مدارس پر پابندی کا معاملہ سب میں حکومت ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی ہے، اور پوری طرح سے مساجد و مدارس پر پابندی کی کوشش کر رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو دین و تعلیم سے دور کر دے، حتیٰ کہ وقف

بورڈ جو کہ مسلمانوں کی اپنی ملکیت ہے اس پر بھی قبضہ کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہے، حالات تو یہ ہو گئے ہیں کہ جن مسلمانوں نے اپنی لہو سے ملک کی سینچائی کی تھی آج انہیں کو ملک کا غدار بتایا جارہا۔ غرض کہ ہر طرف سے مسلمان نشانے پر ہیں اور ان کی شناخت مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ذہن میں بار بار یہی سوال آتا ہے کہ جو امت دنیا کی سب سے افضل جماعت تھی، جس کے علوم وفنون کی دنیا محتاج تھی، جس کے سروں پر عزت و بلندی کا تاج ہوا کرتا تھا،، جو سب سے بلند و بالا قوم تھی آخر وہ پستی کا شکار کیوں ہو گئ؟ اس پر ظلم وزیادتی کیوں ہو رہی ہے؟ ایک وقت تھا جب مسلمانوں کا نام سنتے ہی دنیا کی عظیم طاقتیں تھر تھر کانپتی تھیں پر آج ان میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت کہاں سے آگئی؟ اگر مسلمانوں کے حالات پر غور و فکر کیا جائے تو ان کے اس زبوں حالی کی وجہ یہی مترشح ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے اندر سے اتباع قرآن وسنت ختم ہو چکا ہے، اپنے اسلاف کی ثقافت کے بجائے غیروں کی ثقافت کے متبعین بن گئے ہیں، فقدان اتحاد کے شکار ہیں، دنیا کی محبت میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ اپنی تاریخ و ثقافت ہی بھول گئے ہیں، ان کے اندر سے ہمت و عزمت کا وہ چراغ بجھ گیا جس سے ان کے اسلاف نے اپنی تاریخ روشن کی تھی اس لیے وہ آج تاریکی میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا، فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ! وَلَيَنْزَعَنَّ اللَّهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ(سنن ابو داؤد 4297وصححه الألباني) "ایسا وقت آنے والا ہے کہ دوسری امتیں تمہارے خلاف ٹوٹ پڑیں گی جیسے کہ کھانے والے اپنے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔" تو کہنے والے نے کہا: کیا یہ ہماری ان دنوں قلت اور کمی کی وجہ سے ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں" بلکہ تم ان دنوں بہت زیادہ ہو گے، لیکن جھاگ کے مانند ہو گے جیسے سیلاب کا جھاگ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں «وھن» ڈال دے گا۔" پوچھنے والے نے پوچھا:

اے اللہ کے رسول! «وھن» سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا" دنیا کی محبت اور موت کی کراہت۔"

حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج مسلمانوں کی جو حالت ہے اس پر یہ حدیث خوب صادق آتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان حالات میں ہم پر کس طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کی ادائیگی سے ہم ان مصائب و مشکلات سے نکل کر پہلے کی طرح خوشنما زندگی جینے کے اہل ہو سکتے ہیں۔

درج ذیل سطور میں انکی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

خود کی اصلاح :

موجودہ حالات میں ہمیں خود کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے، کامیابی انہیں کو ملتی ہے جو خود کی اصلاح اور اپنے بگڑے ہوئے حالات کو درست کرتے ہیں، اللہ کا فرمان ہے: {قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا} (الشمس/9)"جس نے اسے (اپنے نفس) پاک کیا وہ کامیاب ہوا"

اللہ کا قانون ہے کہ جب تک بندہ اپنی حالات نہیں بدلتا تب تک اللہ بھی اس کی حالات نہیں بدلتا {إِنَّ اللَّهَ لا يُغَيِّرُ ما بِقَومٍ حَتّى يُغَيِّروا ما بِأَنفُسِهِم }[الرعد:11]

اس لیئے ہمیں اپنی حالات کا جائزہ لینا چاہیے تا کہ اللہ ہمارے برے حالات کو خیر میں تبدیل کر دے۔

قوت ایمانی:

ہمیں ان جیسے حالات میں اپنے ایمان کو مضبوط کرنا چاہیے؛ کیونکہ قوت ایمانی درپیش مشاکل کا سامنا کرنے میں مدد گار ثابت ہوتی ہے، یہ ایسی دولت ہے جس کے ہوتے ہوئے بندۂ مومن اکیلے ہوتے ہوئے بھی کسی سے نہیں ڈرتا؛ کیونکہ وہ ایمان کو اپنا محافظ اور اللہ کو اپنا ناصر سمجھتا ہے۔ اللہ مومنوں کے بارے میں فرماتا ہے: {وَكذلك حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ} (یونس 103) "اسی طرح ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیا کرتے

ہیں۔"

اور دوسرا وعدہ یہ بھی کیا کہ ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾(آل عمران 139)

تم نہ سستی کرو اور نہ غمگیں ہو تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایماندار رہو۔" یعنی اگر تمہارے اندر ایمانی قوت رہی تو ہر حال میں تمھی غالب رہو گے غیر تمہیں کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتے۔

یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے، لیکن شرط ہے کہ بندہ اپنے ایمان کے مطابق عمل کرے۔

اللہ کی طرف رجوع:

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک کے حالات درست ہو جائیں تو پہلے ہمیں اپنی حالت درست کرنی ہو گی، ہمیں اللہ اور اس کے دین کی طرف رجوع کرنا ہو گا، اللہ رب العالمین فرماتا ہے: ﴿وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾(الزمر/54) "اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کا حکم مان لو قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے پھر تمہیں کہیں سے مدد بھی نہ مل سکے۔" یعنی اللہ رب العالمین کہہ رہا ہے کہ عذاب آنے سے پہلے پہلے اپنے رب کی طرف رجوع کر لو اور اس کا حکم مان لو، یہاں اللہ اپنی طرف رجوع کرنے کو کہتا ہے پر ہم اس کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ یہی شکایت رہتی ہے کہ ہم تو اقلیت میں ہیں ہماری آواز کوئی نہیں سنتا، پارلیمنٹ ہو، عدالت ہو کہیں بھی ہماری سنوائی نہیں ہوتی، لیکن انہیں کیا پتہ کہ ہماری باتیں سب سے زیادہ سنی جائیں گی شرط ہے کہ ہم اپنی بات اس عدالت میں رکھیں جس کا حاکم عدل کے لیئے اپنی طرف رجوع کرنے کو کہتا ہے ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (غافر/60) "اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا" یعنی اللہ کہہ رہا ہے تم میرے در پر حاضری دو میں تمہاری بات سنوں گا، وہ در کون سا ہے؟ وہ در ہے مسجد، یہی وہ جگہ ہے جہاں ہر کسی کو انصاف ملتا ہے، جہاں مانگنا ذلت نہیں عبادت ہے، لیکن افسوس کی مسلمانوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ تمام مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی

ہے کہ معاشرے کا ماحول ایسا بنائیں کہ نماز میں سستی و غفلت برتنے والا انسان بھی پنج وقتہ پابند نمازی بن جائے، یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ اچھا ماحول بگڑے کو سدھار سکتا ہے اور برا ماحول سدھرے کو بگاڑ سکتا ہے اس لئے سب سے پہلے سماج و معاشرہ کے ماحول کو درست کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے، لیکن ماحول صرف ایک انسان سے نہیں بننے والا، ہر کسی کو کوشش کرنی ہوگی، خاص کر علماء جو معاشرے کے لیے اسوہ ہیں انہیں آگے ہونا ہوگا۔

صبر:

دنیا اہل ایمان کے لیے آزمائش کی جگہ ہے جہاں انہیں ہر طرح سے مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اللہ کا فرمان ہے: (الم (1) أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (2) وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ (3) (العنكبوت)

"کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انھیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے۔ ان اگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا یقیناً اللہ تعالیٰ انھیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انھیں بھی معلوم کرلے گا جو جھوٹے ہیں۔"

یعنی یہ گمان کہ صرف زبان سے ایمان لانے کے بعد، بغیر امتحان لیے، انہیں چھوڑ دیا جائے گا، صحیح نہیں۔ بلکہ انہیں جان و مال کی تکالیف اور دیگر آزمائشوں کے ذریعے سے جانچا پرکھا جائے گا تاکہ کھرے کھوٹے کا، سچے جھوٹے کا اور مومن و منافق کا پتہ چل جائے۔ اور یہ سنت الٰہی ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے۔ اس لیے وہ اس امت کے مومنوں کی بھی آزمائش کرے گا، جس طرح پہلی امتوں کی آزمائش کی گئی۔ (احسن البیان)

اس لئے کبھی بھی کوئی بھی مصیبت آئے تو إن مع العسر يسرا کو سامنے رکھتے ہوئے اور اسے اپنے تقدیر کا حصہ سمجھتے ہوئے صبر سے کام لینا چاہیے؛ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (واعلَم أنَّ الأُمَّةَ لو اجتَمعت علَى أن ينفَعوكَ بشَيءٍ لم يَنفعوكَ إلَّا بشيءٍ قد كتبَهُ اللَّهُ لَكَ ، ولو اجتَمَعوا على أن يضرُّوكَ بشَيءٍ لم يَضرُّوكَ إلَّا بشيءٍ قد كتبَهُ اللَّهُ عليكَ ، رُفِعَتِ الأقلامُ وجفَّتِ الصُّحفُ)

(أخرجه الترمذي (2516) وصححه الألباني) ”یہ بات جان لو کہ اگر ساری امت بھی جمع ہو کر تمہیں کچھ نفع پہنچانا چاہے تو وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ بھی نفع نہیں پہنچاسکتی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانے کے لئے جمع ہو جائے تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچاسکتی جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں“

یعنی دنیا کے لوگ تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہونچا سکتے الا کہ جو تمہارے حصہ میں لکھا جاچکا ہے۔اس لئے کبھی بھی مصیبت سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

اتحادواتفاق:

مسلمانوں کی مضبوطی اور برے حالات کی اصلاح کا راز اتحاد واتفاق میں پوشیدہ ہے، کیوں کہ تاریخ گواہ ہے کہ جب جب مسلمان اختلاف وانتشار کا شکار ہوئے تو انہیں ہزیمت وپستی کا راستہ دیکھنا پڑا جیسا کہ حدیث میں ہے «**ولا تختلفوا فإن من كان قبلكم اختلفوا فهلكوا**.» صحيح البخاري(3476) ”آپس میں اختلاف نہ کیا کرو، تم سے پہلے لوگ اسی قسم کے جھگڑوں سے تباہ ہوگئے۔“ اللہ کا فرمان ہے: ﴿**وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ**﴾ [الأنفال:46]. ”اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر رکھو یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“

معلوم ہوا کہ اختلاف وافتراق کمزوری اور ذلت وپستی کا سبب ہے اسی وجہ سے شریعت نے مسلمانوں کو متعدد جگہوں پر اتحاد واتفاق کی طرف رہنمائی کی ہے: ﴿**وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا**﴾ (آل عمران/103) ”سب لوگ مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور تفرقہ پیدا نہ کرو“

اس لیئے ہمیں ہر حالت میں متحد ہو کر اور مل جل کر رہنا چاہیے تاکہ غیروں میں ہمارا رعب ودبدبہ رہے۔

حسن اخلاق:

اسلام کی خوبی حسن اخلاق میں چھپی ہوئی ہے، ہمیں نبوی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنا رسوخ جتنا اخلاق کے ذریعہ بنا سکتے ہیں اتنا کسی اور چیز سے نہیں، تبھی تو اللہ نے نبی ﷺ کو کہا تھا: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (آل عمران/159)"اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر رحم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے"۔

اس لئے ہمیں ملک کے غیر مسلموں کے ساتھ بہترین اخلاق سے پیش آنا چاہیے، ان کے ہر باتوں کا جواب دینا ضروری نہیں ہے بلکہ کبھی کبھار خاموش رہنا زیادہ مؤثر ہوتا ہے بنسبت جواب دینے کے۔

تعلیم کا فروغ:

ملک میں تعلیم کی نشر واشاعت بہت ضروری ہے، تعلیم معاشرتی ترقی، خوشحالی اور انصاف کے فروغ میں مددگار ثابت ہوتی ہے، اچھے معاشرے اور بہترین ماحول کی تعمیر و تشکیل کے لئے تعلیم یافتہ لوگوں کا اہم کردار ہوتا ہے، علماء حالات حاضرہ کے اعتبار سے لوگوں کو صحیح رہنمائی اور مثبت سوچ فراہم کرتے ہیں، انہیں برے حالات سے لڑنا سکھاتے ہیں، اور مشکل پڑنے پر صحیح فیصلے کی طرف آگاہ کرتے ہیں۔

حقوق کی پاسداری:

مسلمانوں کے اندر حقوق تلفی بہت ہے، ایک دوسرے کے حقوق کا خیال نہیں کرتے، مسلمانوں کا ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی عام سی بات ہے، حتی کہ بھائی اپنی سگی بہن پر ظلم کرنا نہیں چھوڑتا، اس کا حصہ ہڑپ کر بیٹھا رہتا ہے اور اسے احساس تک بھی نہیں ہوتا بلکہ اسے اپنا حق بھی سمجھتا ہے۔ جب یہ ہم مسلمانوں کا حال ہے تو ہم غیروں سے انصاف کی کیا امید رکھیں؛ اس لئے سب سے پہلے آپس میں انصاف کا معاملہ کریں، ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں تاکہ ہمیں بھی ہمارے حقوق حاصل ہوں۔

مسلمان اپنے آپ کو طاقت ور بنائیں:

موجودہ حالات میں مسلمانوں کو طاقت ور بننا بہت ضروری ہے، ہر میدان میں انہیں آگے آنا ہوگا تاکہ انہیں اثر و رسوخ حاصل ہوسکے اور اپنی اقتصادی اور تعلیمی طاقت کے ذریعہ اپنی آواز مؤثر بنا سکیں۔

مسلم قائدین کی ذمہ داری:

ملک میں مسلمانوں پر کوئی ظلم وزیادتی ہو تو مسلم قائدین کو آگے آنا چاہیے، ان پر ہو رہے مظالم کے روک تھام کے لیے براہ راست حکومت سے مل کر مسئلہ کو سلجھانا چاہیے اور قانون میں رہ کر حکومت سے انصاف کا مطالبہ کرنا چاہیے، جب تک مسلمان انصاف کی آواز نہیں بلند کریں گے تب تک انہیں انصاف نہیں ملنے والا۔

اسلام کی خوبیوں کی تشہیر:

ملک کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ دوسروں کے سامنے اسلام کی خوبیوں کو اجاگر کریں، انہیں اسلام کی تعلیمات سے آشنا کریں۔ اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل کریں، اپنی زندگی میں کھانے پینے، لوگوں سے میل جول، صفائی ستھرائی، لین دین کے معاملات وغیرہ میں اسلامی احکامات کا خاص خیال رکھیں، معاشرہ میں رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ انسانیت کا مظاہرہ کریں، ان کے ساتھ ایمان داری و دیانتداری سے پیش آئیں اور اپنی ذات سے کبھی کسی کو تکلیف نہ پہونچائیں۔ جب ہم ان چیزوں کا خیال کریں گے تو دوسروں کو اسلام کی خوبیوں کا پتہ چلے گا، جس سے اسلام کے تئیں ان کا دل نرم ہوگا، نیز اسلام کی طرف مائل بھی ہوں گے۔

ملک کی سالمیت کا پاس ولحاظ:

ملک کی سالمیت اور امن وامان کا ہمیشہ پاس ولحاظ رکھیں۔ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس کے نام میں امن کا عنصر موجود ہے؛ اس لئے ہم تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ہم اس عنصر کا ہمیشہ خیال رکھیں، ہم سے ایسی کوئی

حرکت سرزد نہ ہو جس سے ہم پر یا ہمارے مذہب پر کوئی آنچ آئے۔

یہ تھیں بعض ذمہ داریاں جن کی ادائیگی سے مسلمان اپنے حالات درست کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں پر مشکلات آنا کوئی نئی بات نہیں ہے، اس پہلے بھی جب جب مسلمانوں میں کمیاں آئیں تب تب وہ مظلومیت و محکومیت کے دور سے گزرے ہیں مگر ان سب کے باوجود ان کے اندر اسلامی شعور باقی رہا۔ صبر اور خود احتسابی کے ذریعہ مسلمان دوبارہ کامیابی کی راہ پر گامزن ہوئے۔اس لئے ہمیں حالات سے کبھی مایوس نہیں ہونا ہے بلکہ اپنے رب سے امید کرتے ہوئے صبر واستقامت کے ساتھ برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے بہتر حالات کی کوشش کرنی چاہیے۔

اللہ ہم تمام لوگوں کا حامی وناصر ہو آمین۔

قرآن مجید کے متعلق شیعوں کا عقیدہ

ضمیر جمال جمال اختر الجامعی (طالب جامعہ مجمعہ، ریاض)

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں جن جن فرقوں اور تحریکوں نے اپنے آپ کو سرگرم رکھا شیعہ ان میں سر فہرست ہیں، بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بقول اسلام کے خلاف سازش کا جو بھی موقع انہیں ہاتھ آیا اس کو غنیمت سمجھا اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اس فرقے کے بہت سارے باطل افکار و نظریات ہیں اور ان کے یہاں بہت سارے فاسد عقائد کا وجود ہے۔

انہیں عقائد میں سے انکے یہاں ایک عقیدہ یہ پایا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ قرآن محرف ہے اور اس میں کمی و بیشی واقع ہوئی ہے۔ اسی عقیدہ کو واشگاف کرنے اور انکی قلعی کھولنے کے لیے **"قران کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ"** کے عنوان سے یہ چند سطور آپ قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

تحریف قرآن کے متعلق علماء شیعہ کے چند اقوال:

قرآن کے بارے میں شیعوں کے باطل و فاسد عقائد کے بارے میں جاننے سے قبل اجمالی طور سے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل سنت والجماعت کا اس کتاب کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ اہل سنت والجماعت کا اس کتاب کے بارے میں عقیدہ ہے کہ یہ قرآن اللہ رب العالمین کے ذریعہ نازل کردہ ایک ایسی کتاب ہے جو سارے انسانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے اور نزول سے لے کر کے اب تک یہ قرآن ویسے ہی موجود ہے جیسا کہ جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام اس قرآن کو لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے اور اس میں کسی بھی طرح کی رد و بدل اور حذف و اضافے کی قطعی گنجائش نہیں ہے، اور نہ آگے کبھی ہوگی کیونکہ یہی وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ رب العالمین نے لی ہے اور جابجا اس بات کا تذکرہ اللہ نے قرآن مجید کے اندر کیا ہے۔

رہی بات شیعوں کے اعتقاد کے سلسلے میں تو ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن کا ایک بہت بڑا حصہ حذف کر دیا گیا ہے اور ان حذف کرنے والوں کے سر خیل خلفائے ثلاثہ حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

اسی طریقے سے ان کا عقیدہ ہے کہ جس بنیادی اور اساسی مباحث اور آیات کو قرآن سے حذف کیا گیا ہے ان میں فضائل اہل بیت اور خصوصا علی رضی اللہ تعالی عنہ کی امامت کے سلسلے میں جو آیات تھیں انہیں کو حذف کیا گیا ہے، اور یہ عقیدہ ان کے علماء کبار کے یہاں صراحت کے ساتھ موجود ہے، حتی کہ ان کی کتابوں میں مثالوں کے ساتھ آپ کو اس کی وضاحت ملے گی، چند قول و مثال کے ذریعہ اپنی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔

شیعوں کے بیشتر علماء کے شیخ علی بن ابراہیم القمی اپنی تفسیر کے مقدمے میں لکھتا ہے "القرآن منه ناسخ و منسوخ "یعنی قرآن کی بعض آیتیں ناسخ ہیں اور بعض منسوخ اور پھر آگے لکھتا ہے "ومنه على خلاف ما أنزل الله"

کہ انہی میں سے بعض آیتیں ایسی بھی ہیں جو اللہ رب العالمین کے نازل کردہ آیتوں کے برخلاف ہیں۔(تفسیر القمي1/5)

اسی طرح کلینی نے اپنی کتاب الکافی میں ایک روایت ذکر کی ہے جسے ابو عبداللہ نے روایت کیا ہے کہ " ان القران الذي جاء به جبرائيل عليه السلام إلى محمد سبعة عشر ألف آية"(أصول الكافي2/634)

یعنی وہ قرآن جو جبرائیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر لیکر نازل ہوئے تھے اس میں 17000 آیتیں تھیں.

اب آپ دیکھیں اس روایت سے یہ بات لازم آتی ہے کہ قرآن کا دو تہائی حصہ مفقود ہے نعوذ باللہ من ذالک کیونکہ قرآن میں صحیح ترین کے قول کے مطابق جو آیتیں موجود ہیں وہ 6236 آیتوں سے متجاوز نہیں ہیں۔

صرف اسی پر اس نے اکتفا نہیں کیا بلکہ یہاں تک دعوی کیا ہے کہ ان کے پاس ایک قرآن ہے جو موجودہ قرآن سے

بالکل مختلف ہے بلکہ موجودہ قرآن کا ایک حرف بھی ان کے پاس موجود قرآن میں نہیں ہے.(أصول الكافي 239/1) **قبحهم الله**.

اسی طرح سے ایک اور شیعہ مفسر ابو منصور طبرسی (ت:620ھ) نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ موجودہ قرآن میں اللہ نے جن جرائم والے قصص کا تذکرہ کیا ہے ساتھ میں ان مجرمین کا نام بھی اللہ رب العالمین نے ذکر کیا تھا لیکن صحابہ نے (نعوذ باللہ) ان ناموں کو حذف کردیا اور باقی حصوں کو اپنی جگہ پر باقی رکھا.(الاحتجاج للطبرسي 370/1)

اسی طریقے سے کلینی نے اپنی کتاب میں ایک اور روایت نقل کی ہے کہ علی بن سوید نے ابوالحسن موسی کی طرف ایک خط لکھا جب کی وہ جیل میں تھے اور انکا حال احوال دریافت کیا لیکن کافی دنوں تک اسکا جواب نہیں آیا، اور جب آیا تو اس میں لکھا تھا کہ دین صرف ان لوگوں سے لینا جو تمہارے ہم مشرب ہوں اور ان کے علاوہ کسی سے بھی دین ومذہب کو نہ لینا، کیونکہ باقی سب لوگ خائن ہیں، ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی امانت کے ساتھ خیانت کی ہے اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ ان لوگوں نے کس چیز میں خیانت کی ہے؟ جی ہاں! اللہ نے انہیں اپنی کتاب پر امین بنایا تو ان لوگوں نے اس میں تحریف کی اور اس میں ردوبدل کیا. (أصول الكافي 124/8)

ایک اور شیعہ محدث ابو بکر اور عثمان رضی اللہ عنہما پر طعن وتشنیع اور الزام لگاتے ہوئے لکھتا ہے کہ "قرآن مجید کو اصلی شکل وصورت میں یعنی جس طرح اللہ نے آسمان سے نازل کیا امیر المومنین علی کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا" (الانوار النعمانیہ از نعمت اللہ الجزائری 247/2)

شیعہ علماء کے ان فرمودات سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کی تحریف کا عقیدہ ان کے یہاں بدرجۂ اتم موجود ہے۔

تحریف قرآن کی چند مثالیں:

اب آیئے چند ایک مثالوں کے ذریعہ مزید ان کے اس عقیدہ کو واشگاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 110 "كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ...الخ" اس آیت کو "خير أمة" پڑھنے والے سے ابو عبداللہ نے کہا کہ ان لوگوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالی عنہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو قتل کر دیا. پوچھا گیا کہ آپ بتائیں یہ آیت کیسے نازل ہوئی؟ تو فرمایا کہ "كنتم خير أئمة" یعنی کہ ان کا عقیدہ ہے کہ اس آیت میں رد و بدل سے کام لیا گیا ہے اور أئمة کی جگہ "أمة" کو رکھ دیا گیا ہے(نعوذ باللہ) (تفسیر القمي 110/1)

اسی طرح سورہ اُحزاب کے آخری رکوع میں جو آیت ہے "ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما" اس آیت کے بارے میں ملا باقر مجلسی نے ابو بصیر کی روایت نقل کی ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی "ومن يطع الله ورسوله في ولاية علي والأئمة من بعده فقد فاز فوزا عزيما" اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کوئی علی اور ان کے بعد کے ائمہ کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی بات مانے وہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔ گویا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اس آیت سے یہ کلمہ "في ولاية علي" کے الفاظ نکال دیے گئے ہیں جو کہ موجودہ قرآن میں نہیں ہیں" (بحار الأنوار للمجلسي 57/35)

اسی طرح سورہ نساء کی آیت نمبر 66 میں اللہ فرماتا ہے "وَلَوۡ أَنَّهُمۡ فَعَلُواْ مَا يُوعَظُونَ بِهِۦ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ" یعنی جس بات کی نصیحت انہیں کی گئی اگر وہ لوگ اس پر عمل کریں تو ان کے حق میں بہتر ہو گا. اس آیت کے سلسلے میں **اصول کافی** کی ہی ایک روایت ملاحظہ کریں کہ امام باقر فرماتے ہیں "سورہ نساء کی آیت نمبر 66 اس طرح نازل ہوئی تھی "وَلَوۡ أَنَّهُمۡ فَعَلُواْ مَا يُوعَظُونَ بِهِۦ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ" یعنی جس بات کی نصیحت انہیں علی کے بارے میں کی گئی ہے اگر وہ لوگ اس پر عمل کریں تو ان کے حق میں بہتر ہو گا. مطلب یہ ہے کہ اس آیت کا خاص تعلق حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے تھا لیکن اس میں سے "فِي عَلِيٍّ" نکال دیا گیا جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔ (أصول الکافی 184/8)

تحریف قرآن کے عقیدہ کے پس پردہ عزائم:

اب سوال یہ ہے کہ شیعوں کا یہ جو عقیدہ ہے اس کے پس پردہ ان کے کیا اغراض و مقاصد ہیں اور وہ اس بات کو ثابت کرکے اپنے کس مقصد تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں؟ اس بارے میں شیعہ کے مختلف علماء کے اقوال سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے اور جیسا کہ شروع میں بھی یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ جن بنیادی مسائل کو قرآن سے حذف کیا گیا ہے یا یوں کہیں کہ جن بنیادی مسائل کے حذف واضافے پر شیعہ علماء کا اعتقاد ہے ان میں ولایت وامامت سب سے بڑا مسئلہ ہے اور تحریف کے عقیدہ کے پس نوشت اسی ولایت وامامت کے مسئلے کا ثبوت ہے۔

کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن میں ایک سورت نازل ہوئی تھی جس کا نام تھا سورۃ الولایۃ، صحابہ کرام نے اس سورت کو حذف کر دیا۔ (الانتصار للعاملي 295/3)

اسی طریقے سے ولایت کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے "إن النجاة لا تكون إلا بولاية أهل بيت إلى الإمام الثاني عشر والبراءة من أعدائهم" بیشک نجات صرف اور صرف اہل بیت اور ائمہ اثنا عشریہ کو ماننے اور ان کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کرنے میں ہی ہے۔ (بحار الأنوار للمجلسي 57/27)

اسی طریقے سے ایک وجہ یہ بھی ذکر کی جاتی ہے کہ یہ امر مسلم ہے کہ قرآن کو جمع کرنے میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا ایک بڑا کردار رہا ہے، جبکہ یہ لوگ شیخین کے ایمان کی حقیقت کو تسلیم کرنے سے قاصر ہیں، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے جمع شدہ قرآن پر ایمان لے آئیں، اگر یہ اس قرآن کو تسلیم کر لیں گے تو ظاہر ہے کہ ان صحابہ کرام کی امانت و دیانت کو بھی تسلیم کرنی پڑے گی اور اس سے انہیں کوئی مفر نہیں ہوگا۔

لیکن شیعہ کے بعض متاخرین علماء نے عدم تحریف کا قول بھی نقل کیا ہے ابن بابویہ القمی جو ان کے نزدیک صدوق کے لقب سے معروف ہیں یہی وہ شیعہ عالم ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قرآن میں عدم تحریف کا ذکر کیا ہے اپنی معروف کتاب **اعتقادات الصدوق** میں کہتے ہیں "اعتقادنا أن القرآن الذي أنزله الله تعالى على نبيه محمد صلى الله عليه وسلم وهو ما بين الدفتين وهو ما في أيدي الناس ليس بأكثر من ذلك ومبلغ سوره عند الناس مائة وأربعة عشر، ومن نسب إلينا أننا نقول أنه أكثر من ذلك فهو كاذب" کہتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ موجودہ قرآن جو اس وقت لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں مکمل سورت ایک 114 ہے، اور جو ہماری طرف یہ منسوب کریں کہ ہم کہتے ہیں کہ اس میں اس سے زیادہ سورتیں تھیں تو وہ جھوٹا ہے۔(اعتقادات في دين الإمامية84)

شروع میں یہ اپنے اس قول میں اکیلے تھے یہاں تک کہ ایک شیعہ عالم مرتضی نے ان کی موافقت کی پھر ان کے شاگرد ابو جعفر طوسی نے بھی ان کی موافقت کی۔(فصل الخطاب32)

لیکن اس کے بعد خود ایک شیعہ عالم نعمت اللہ الجزائری نے ان پر رد کرتے ہوئی اجماع نقل کیا ہے کہ علمائے امامیہ تحریف القرآن کے قائل ہیں اور ان علماء کا جواب دیا ہے جو لوگ عدم تحریف کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ یہ قول بہت ساری مصلحتوں کی وجہ سے اختیار کیا گیا ہے انہی میں سے ایک مصلحت یہ ہے تا کہ ان کے عقائد میں طعن و تشنیع پر بندش لگائی جائے اور عام لوگ اس بات پر مطلع نہ ہو سکیں کہ شیعوں کے عقیدہ کے اعتبار سے موجودہ قرآن محرف ہے۔(الأنوار النعمانية للسيد نعمة الله الجزائري358/2)

پتہ چلا کہ ان لوگوں نے اپنے اس عقیدہ کو چھپانے میں ایک دوسرے فاسد عقیدہ کا سہارا لیا جو انکے یہاں تقیہ کے نام سے معروف ہے.(أذلهم الله)

اسی بات کی وضاحت خود معاصرین علماء میں سے ایک شیعہ عالم نے کی ہے "إن علماء الشيعة الذين أنكر التحريف في القرآن لا يحمل انكارهم إلا على التقية" (تصحيف الكاتبين " ص 18 نقلا عن كتاب الشيعة والقرآن للشيخ العلامة إحسان إلهي ظهير)

یعنی شیعہ کے جن علماء نے بھی قرآن میں تحریف کا انکار کیا ہے ان کے انکار کو تقیہ پر ہی محمول کیا جائے گا۔

رہی بات معاصرین شیعہ علماء کے عقائد کی تو ظاہر ہے ان کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ان کے متقدمین علماء کا تھا معاصرین علماء میں امام معصوم کے نائب آیت اللہ خمینی کا عقیدہ ہے وہ اپنی کتاب "کشف الأسرار" جو کہ اصل فارسی زبان میں ہے اس کتاب میں قرآن میں تشکیک پیدا کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اگر امامت دین کا چوتھا اصول ہے اور مفسرین کے نزدیک امامت کو ثابت کرنے والی آیتیں قرآن کی عظیم ترین آیتوں میں سے ہیں، تو اللہ نے صراحت کے ساتھ اس اصل امر اور مہم چیز کی طرف اشارہ کیوں نہ کیا تا کہ اس کے بارے میں جو نزاع ہے اس کا مکمل طور سے سد باب ہو جاتا".(كشف الأسرار ترجمة/ محمد أحمد الخطيب131)

اس مختصر سی وضاحت کے بعد یہ بات مسلم ہو گئی کہ شیعوں کا قرآن کے بارے میں عقیدہ ہے کہ قرآن محرف ہے، اور اس میں حذف واضافہ کیا گیا ہے، اور اس میں کمی وبیشی واقع ہوئی ہے، اسی طریقے سے ان کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ قرآن کا ایک بہت بڑا حصہ محذوف ہے۔

اس عقیدہ کے بطلان پر قرآن سے چند دلائل:

اب آیئے قرآن کی حقانیت اور اس میں رد وبدل کے عدم امکان پر ایک نظر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے ذریعہ یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ شیعوں کا یہ عقیدہ انتہائی فاسد اور باطل ہے اور اہل سنت والجماعت کا اس باطل عقیدے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اللہ تعالی قرآن میں ارشاد فرماتا ہے "لَّا يَأۡتِيهِ ٱلۡبَٰطِلُ مِنۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهِۦۖ تَنزِيلٞ مِّنۡ حَكِيمٍ حَمِيدٖ". (سورۃ فصلت42)

اس آیت کی روشنی میں علامہ طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں "لا يستطيع ذو باطل بكيده تغييره بكيده، وتبديل شيء من معانيه عما هو به".

یعنی کوئی بھی شخص اپنے مکروفریب کے ذریعہ اس میں تبدیلی نہیں پیدا کرسکتا اور نہ ہی اس کے ان معانی میں خرد برد کرسکتا ہے جن معانی کے ساتھ موجودہ قرآن محفوظ ہے۔(تفسیر الطبري 480/21)

دوسری جگہ اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے "إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا ٱلذِّكۡرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ"(سورۃ الحجر9)

اس آیت کے بارے میں علامہ شنقیطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں "أنه حافظ له من أن يزاد فيه أو ينقص أو يتغير منه شيء أو يبدل "یعنی اللہ رب العالمین اس بات کا محافظ ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی واقع ہو یا اس میں کسی طرح کا خرد برد ہو".(أضواء البيان للشنقيطي 144/3)

ان دونوں آیتوں اوران کے بارے میں مفسرین کے اقوال سے یہ بات عیاں ہے کہ شیعوں کا یہ عقیدہ میزان شرع میں مکمل طور سے باطل اور فاسد ہے۔

قرآن محفوظ تھا،اب بھی محفوظ ہے اور تاقیامت ان شاءاللہ ایسے ہی محفوظ رہے گا،اور کسی بھی طرح سے اس میں کمی وبیشی،حذف واضافہ،ردوبدل اور تحریف ممکن نہیں ہے۔

خطبہ جمعہ کے دوران تحیۃ المسجد کا حکم اور احناف

محمد مجتبی محمد مصطفی الجامعي

فرض نمازوں کے علاوہ ایک نماز تحیۃ المسجد ہے، جس کو انسان مسجد میں داخل ہوتے وقت دو رکعت ادا کرتا ہے، اور یہ نماز ہر اس شخص کے حق میں واجب ہے جو مسجد میں بیٹھنے کی نیت سے داخل ہوتا ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (إذا دَخَلَ أحَدُكُمُ المسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبلَ أن يَجْلِسَ). (صحیح بخاري 444) جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

تحیۃ المسجد ایک سببی نماز ہے اس لئے تمام اوقات میں مشروع ہے، لیکن احناف کے نزدیک خطبہ جمعہ کے دوران کوئی بھی نماز مشروع نہیں ہے، اسی کی مکمل وضاحت کرنے کے لئے راقم نے یہ مضمون مرتب کیا ہے، جس میں وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان جب مسجد میں داخل ہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک:

وإذا خرج الإمام يوم الجمعة ترك الناس الصلاة والكلام حتى يفرغ من خطبته عند أبي حنيفة (لقوله عليه السلام : إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام). [الهداية 118/2، بدائع الصنائع 198/2، المبسوط 29/2)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جمعہ کے دن جب امام خطبہ دینے کے لیے نکلے (ممبر کی طرف) تو لوگ نماز اور کلام کو ترک کر دیں یہاں تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے. نبی ﷺ کے اس قول کی وجہ سے کہ: جب امام نکل جائے (خطبہ کے لئے) تو کوئی نماز اور کلام نہیں ہے.

تحقیق وضاحت: 1. امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا" بَابٌ إِذَا رَأَى الإِمَامُ رَجُلًا جَاءَ وَهُوَ يَخْطُبُ، أَمَرَهُ أَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ" جب امام کسی آدمی کو آتے ہوئے دیکھے اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو آدمی کو حکم دے کہ وہ دو رکعت نماز پڑھے. اسکے تحت حدیث نقل کرتے ہیں: (عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ).

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے فلاں! کیا تم نے (تحیۃ المسجد کی) نماز پڑھ لی، اس نے کہا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھو. (صحیح البخاری 930، 931، صحیح مسلم 875)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رجل" یہ سلیک ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے ان کا نام ابن عمر الغطفانی ہے.

یہ نام صحیح مسلم کی روایت میں وارد ہے جو لیث بن سعد عن ابی الزبیر عن جابر سے اس لفظ کے ساتھ مروی ہے: (جاء سليك الغطفاني يوم الجمعة ورسول الله صلى الله عليه وسلم قائم على المنبر، فقعد سليك قبل أن يصلي، فقال له: أصليت ركعتين؟ فقال: لا، فقال: قم فاركعهما).

سلیک غطفانی جمعہ کے دن آئے اس حال میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر کھڑے تھے، پس سلیک نماز پڑھنے (دو رکعت) سے پہلے بیٹھ گئے، تو آپ ﷺ نے ان سے کہا کیا دو رکعت نماز پڑھے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں، آپ نے کہا: کھڑے ہو اور دو رکعت پڑھو.

اور اعمش عن أبي سفیان عن جابر کے طریق سے اسی کے مثل مروی ہے جسمیں ہے کہ (يا سليك قم فاركع ركعتين وتجوز فيهما). اے سلیک کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعت مختصراً پڑھو.

''قم فارکع''اسی طرح دوسری روایت میں ''فصل رکعتین'' ہے۔

اس سے استدلال کیا گیا کہ خطبہ یہ مسجد میں داخل ہونے پر تحیۃ المسجد سے مانع نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے اس کا تعاقب کیا کہتے ہیں یہ واقعۃ العین ہے جس کا کوئی عموم نہیں ہے، کیونکہ اسکا حکم سلیک کے ساتھ خاص ہونے میں احتمال ہے جسکی تائید ابو سعید خدری کی روایت کرتی ہے جس کو اصحاب سنن اور ان کے علاوہ نے روایت کیا ہے: (جاء رجل والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب والرجل في هيئة بذة، فقال له أصليت؟ قال: لا، قال: صل ركعتين وحض الناس على الصدقة).

ایک آدمی آیا اور نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور آدمی کی ہیبت خستہ حال تھی (کپڑے وغیرہ پھٹے پرانے تھے) آپ ﷺ نے ان سے کہا: کیا تم نے نماز پڑھی، اس نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے کہا: دو رکعت نماز پڑھو، اور لوگوں کو اس پر صدقہ کرنے کو ابھارا۔

کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کو نماز پڑھنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ لوگ اس کو دیکھیں اور اس پر صدقہ کریں، اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جس کی تخریج امام احمد نے اپنے مسند میں کیا ہے: (أن النبي صلى الله عليه وسلم قال إن هذا الرجل دخل المسجد في هيئة بذة فأمرته أن يصلي ركعتين وأنا أرجو ان يفطن له رجل فيتصدق عليه)(مسند احمد 11197)

نبی ﷺ نے کہا: یقیناً یہ آدمی مسجد میں خستگی کی حالت میں داخل ہوا میں نے اسے دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا اور مجھے امید ہے کی کوئی میری بات سمجھے گا اور اس پر صدقہ کرے گا۔

تعاقب کا جواب: سلیک غطفانی کے اس قصے سے جو تحیۃ المسجد کے جواز پر استدلال کیا گیا اس پر طعن کرنا مردود ہے کیونکہ اصل عدم الخصوصیت ہے اور جو علت بیان کی جاتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صدقہ تھا، یہ جواز التحیۃ کے مانع نہیں ہے کیونکہ مانعین کے یہاں صدقہ کی علت کی وجہ سے بھی تطوع جائز نہیں ہے۔

ابن المنیر الحاشیہ میں کہتے ہیں {لو ساغ ذلك لساغ مثله في التطوع عند طلوع الشمس وسائر الأوقات المكروهة ولا قائل به} اگر یہ جائز ہوتا تو اس کے مثل نفل میں جائز ہوتا طلوع شمس اور تمام مکروہ اوقات میں اور وہ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں.(فتح الباری2/407)

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ سلیک غطفانی کی روایت نبی ﷺ کے اس قول سے معارض ہے جس کی تخریج امام ابوداؤد، امام نسائی نے عبداللہ بن بشر کی سند سے کی ہے اور ابن خزیمہ وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے. نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ (فَجَاءَ رَجُلٌ يَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ) ایک شخص لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا، تو آپ ﷺ نے کہا:(اجْلِسْ، فَقَدْ آذَيْتَ) بیٹھ جاؤ تم نے اذیت دی.

(سنن ابوداؤد1118، سنن نسائی1400،وصححه الألباني رحمه الله)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے کا حکم دیا اور تحیۃ المسجد کا حکم نہیں دیا، اسی طرح وہ حدیث جس کو طبرانی وغیرہ نے ابن عمر کی سند سے مرفوعا روایت کیا ہے (جس کو میں نے ہدایہ کے حوالے سے شروع میں نقل کیا ہے). (إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ والإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَلَا صَلَاةَ ولَا كَلَامَ، حَتَّى يَفْرُغَ الإِمَامُ) (الطبراني13708).

ابوداؤد والی روایت کا جواب یہ دیا گیا ہے: یہ حدیث توعینی واقعہ ہے اس کا کوئی عموم نہیں ہے، اور یہ بھی احتمال ہے اس کا ترک کرنا یہ تحیۃ المسجد کے حکم سے قبل کا ہے، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آخری خطبے میں داخل ہوئے ہوں اس حیثیت سے کہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا وقت بہت تنگ رہا ہو، یہ بھی احتمال ہے کہ مسجد کی ابتدائی حصے میں (داخل ہوتے ہوئے) پڑھ لئے ہونگے پھر قریب آئے تاکہ خطبہ سن لیں لوگوں کو پھلانگتے ہوئے تو نبی ﷺ نے ان پر نکیر کی ہو۔

اور رہی بات ابن عمر کی حدیث تو وہ ضعیف ہے اس کی سند میں "**أيوب بن نهيك**" منکر الحدیث ہیں جیسا کہ امام

ابوزرعہ رازی اور امام ابو حاتم وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور احادیث صحیحہ کے معارض بھی ہے۔(فتح الباری 2/ 407-410، نیل الأوطار 6/337-348)

2:امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے معا بعد دوسرا باب باندھا ہے "باب: من جاء والإمام يخطب صلى ركعتين خفيفتين"جو شخص آئے اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو دو ہلکی رکعت نماز پڑھ لے.

اس سلسلے میں جابر ہی کی روایت سے استدلال کیا ہے.(صحیح البخاری 1931)

3:اسی طرح امام مسلم نے بھی جابر والی حدیث سے تحیۃ المسجد کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے باب باندھتے ہیں: "باب التحية والإمام يخطب"تحیۃ المسجد کا بیان اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو.

حدیث الباب جابر والی روایت کی شرح کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ: یہ تمام حدیثیں صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں جو مذہب امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور فقہاء و محدثین عظام کا ہے کہ جو آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہو اس حالت میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے، اور نماز پڑھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے، اور اس کیلئے مستحب ہے کی نماز کو مختصر کر کے پڑھے تا کہ اس کے بعد خطبے کو سن لے، یہی مذہب حسن بصری اور متقدمین علماء کا ہے.(المنھاج 6/164)

4:امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنے سنن میں باب باندھا "باب: إذا دخل الرجل والإمام يخطب"جب آدمی داخل ہو اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا ہو.

اس باب کے تحت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے وہی جابر بن عبداللہ والی روایت سے استدلال کر کے بتلایا ہے کہ جب امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت کوئی داخل ہو تو وہ بھی نماز پڑھے، اس حدیث کی شرح میں علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ خطبہ کی حالت میں تحیۃ المسجد پڑھا جائے گا.(عون المعبود 3/327)

5: امام ترمذی نے اپنی سنن کے اندر باب باندھا "باب: الركعتين إذا جاء الرجل والإمام يخطب " امام ترمذی نے اس باب کے تحت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت بسند صحیح نقل کرتے ہیں کہ: (أن أبا سعيدٍ الخدريّ، دخل يومَ الجُمُعةِ، ومَروانُ يخطبُ، فقام يصلي، فجاء الحرسُ ليُجْلِسُوه، فأبى حتى صلى، فلما انصرف أَتيناه فقلنا: رَحِمَك اللهُ، إن كادوا لَيَقَعُوا بك، فقال: ما كنتُ لِأَترُكَهما بعد شيءٍ رأيتُه من رسولِ اللهِ ﷺ، ثم ذكر أن رجلًا جاء يومَ الجُمُعةِ، في هيئةٍ بَذَّةٍ والنبيُّ يخطُبُ يومَ الجُمُعةِ، فأمره فصلى ركعتين، والنبيُّ ﷺ يخطبُ).

ابو سعید خدری جمعہ کے دن (مسجد میں) داخل ہوئے، مروان بن حکم خطبہ دے رہے تھے، وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، پہریدار آئے تاکہ انہیں بٹھادیں لیکن وہ نہیں مانے اور نماز پڑھ ہی لی، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے ان کے پاس آکر کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے قریب تھا کہ یہ لوگ آپ سے ہاتھا پائی کر بیٹھتے، تو انہوں نے کہا: میں تو یہ دونوں رکعتیں ہرگز چھوڑنے والا نہیں تھا، بعد اس کے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، پھر انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص جمعہ کے دن پراگندہ حالت میں آیا، نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے اسے دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا، اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے امام ترمذی مزید اثر نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قَالَ ابنُ أَبِي عُمَرَ كَانَ سُفْيَانُ بنُ عُيَينَةَ يُصَلِّي رَكْعَتَينِ إِذَا جَاءَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ وَكَانَ يَأْمُرُ بِهِ". ابن ابی عمر کہتے ہیں: سفیان بن عیینہ جب مسجد میں آتے اور امام خطبہ دے رہا ہوتا تو دو رکعتیں پڑھتے تھے، وہ اس کا حکم بھی دیتے تھے.

اور اس باب میں جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، سہل بن سعد اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنھم سے احادیث وارد ہیں اور اس پر بعض اہل علم کا عمل رہا یہی قول امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا بھی ہے. (سنن ترمذی 511، قال الترمذي: حسن صحيح)

6:اسی طرح امام نسائی،امام ابن ماجہ،امام دارمی وغیرہ نے بھی اپنی اپنی حدیث کی کتابوں میں جواز تحیۃ المسجد پر باب باندھاہے،جب امام خطبہ دے رہااس وقت کوئی داخل ہوتاتو تحیۃ المسجد پڑھے،اس سلسلے میں جابر بن عبداللہ کی سند سے سلیک غطفانی کے وقعہ کو نقل کیاہے.

7: دوسری روایتوں میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:(إذا جاء أحدكم يوم الجمعة والإمام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما). جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن آئے اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہاہوتووہ دورکعت ہلکی پڑھے.(صحیح مسلم 875)

8: مزید اس الفاظ کے ساتھ بھی وارد ہے:(إذا جاء أحدكم يوم الجمعة وقد خرج الإمام فليصل ركعتين).(صحیح مسلم 875)

تم میں سے کوئی شخص جب جمعہ کے دن آئے اور امام نکل گیاہو ممبر کی طرف تووہ دو رکعت پڑھ لے.

9: علامہ شوکانی رحمہ اللہ (نیل الأوطار 6/ 341-342)سلیک غطفانی اور دیگر روایات جو ابھی 7 اور 8 نمبر پر بیان کیا گیااس سلسلے میں لکھتے ہیں:" والأحاديث المذكورة في الباب تدل على مشروعية تحية المسجد حال الخطبة وإلى ذلك ذهب الحسن وابن عيينة والشافعي وأحمد وإسحاق ومكحول وأبو ثور وابن المنذر".اس باب میں مذکورہ احادیث خطبہ کی حالت میں تحیۃ المسجد کی مشروعیت پر دال ہے اور اس طرف امام حسن بصری،امام ابن عیینہ،امام شافعی،امام احمد،امام اسحاق،امام مکحول،امام ابو ثور اور امام ابن المنذر رحمہم اللہ گئے ہیں۔

ان تمام دلائل اور اقوال کی وضاحت سے بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت مسجد میں کوئی داخل ہو تو دو رکعت ہلکی نماز پڑھ لے جیسا کہ نبی ﷺ نے حکم دیاہے اور صحابہ،ائمہ حدیث نے اس پر عمل کیاہے مزید کہ محدثین عظام نے اپنی اپنی کتب حدیث کے اندر تحیۃ المسجد کے جواز پر تبویب

بھی کی ہے، جیسے امام بخاری وغیرہ نے اس مسئلے پر کئی تبویب کر کے ثابت کیا کہ امام جب خطبہ دے رہا ہو اس وقت کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہ دو رکعت پہلے پڑھے تب بیٹھ کر امام کا خطبہ سنے، اور ابن عمر والی روایت جس میں ہے کہ جب امام منبر کی طرف نکل جائے تو کوئی کلام اور کوئی نماز نہیں وہ ضعیف روایت ہے. اللہ تعالی ہم سب کو حق سمجھنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وقف کی شرعی حیثیت

اسامہ امین امین اللہ (طالب جامعہ سلفیہ بنارس)

وقف کا مختصر تعارف

اسلام نے روز اول سے ہی رفاہی کاموں اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے اعمال کی حوصلہ افزائی کی ہے، انفاق فی سبیل اللہ، صدقات و خیرات یہ تمام چیزیں اسلام کے امتیازی اوصاف میں سے ہیں، انہیں میں سے ایک شکل وقف کی ہے، جو دیگر رفاہی کاموں سے ذرا مختلف ہے اور اس کی تاریخ بھی کافی قدیم ہے، تاریخ اور ماضی پر نظر رکھنے والے باحثین کا خیال ہے کہ اس کا نظم اسلام سے پہلے بھی موجود ملتا ہے لیکن اسلام میں اس کا مقصد اللہ کی رضا اور تعاون علی البر ہوتا ہے، جبکہ دوسروں کے یہاں ذاتی اور دنیاوی مقاصد کارفرما ہوتے ہیں، یہ نظم مصریوں، فرانسیسیوں، انگریزوں اور امریکیوں کے یہاں بھی پایا جاتا ہے جس سے وہ مقابر، کنیسے، رفاہی ادارے، اسپتال، اناتھ آشرم اور اولڈ شیلٹر ہوم وغیرہ کی تعمیر کرتے ہیں.

لیکن اسلام میں وقف کا تصور خالص اسلامی ہے اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے، صحابہ کرام میں عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، ابو طلحہ، عبد الرحمن بن عوف وغیرہ کے وقف کافی معروف ہیں نیز سب کا مقصد انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی سے مربوط ہے، اسلام میں اس کو منظم انداز میں چلانے کے لیے بیت المال اور حکومتی ادارے اہم رول ادا کرتے تھے، جبکہ اہل مغرب کے یہاں آج کل اسے Trust سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا وقف کا وجود مختلف شکلوں میں مختلف مقاصد کے پیش نظر ہر دور میں ہمیں نظر آتا ہے. (أحكام الوقف للكبيسي 21-29)

وقف کی لغوی تعریف: علماء شریعہ اور لغویوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مصدر "وقف" سے اسم مفعول یعنی وقف شدہ چیز مراد لی جاتی ہے، اور ان کے یہاں اس کا معنی حبس اور منع کے ہیں یعنی کسی چیز کو روک لینا. (الوقف في الإسلام تاريخ وحضارة 8)

چنانچہ ازہری نے کہا"وقال أبو زيد مالك تقف دابتك : تحبسها بيدك"(تهذيب اللغة 251/9)اورابن منظور نے کہا: "وفي الحديث: ذلك حبيس في سبيل الله، أى موقوف على الغزاة يركبونه في الجهاد، والحبيس فعيل بمعنى مفعول"(لسان العرب 45/6)

اصطلاحی تعریف:

دراصل فقہاء کے یہاں وقف کی جزئیات اور احکام میں اختلاف ہونے کی بنا پر اصطلاحی تعریف میں بھی کافی اختلاف ہے، لیکن تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وقف کہتے ہیں "حبس الأصل وتسبيل المنفعة"کہ اصل اثاثہ کو تو روک لیا جائے پر نفع اللہ کے راستے میں عام کردیا جایے، جیسا کہ ابن قدامہ نے کہا: "الوقف مستحب ومعناه : تحبيس الأصل وتسبيل الثمرة"(المغني184/8)

اوران کی اس تعریف میں اصل اللہ کے رسول کی وہ حدیث ہے کہ جس میں آپ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جب انہیں خیبر کی زمین میں حصہ ملا تھا کہ "إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا, فَتَصَدَّقَ عُمَرُ: أَنَّهُ لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ فِي الْفُقَرَاءِ ....الخ"(صحیح بخاري2772)

اورابن حجر نے کہا:"وحديث عمر هذا أصل في مشروعية الوقف"(فتح الباري492/5)

وقف کی مشروعیت:

انفاق فی سبیل اللہ، صدقات و خیرات اور خیر کے کاموں میں خرچ کرنے کی جو بکثرت دلیلیں شریعت میں وارد ہیں ان کے عموم سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ وقف مندوب اور مستحب عمل ہے، چنانچہ شوکانی نے کہا "اعلم أن ثبوت الوقف في هذه الشريعة وثبوت كونه قربة أظهر من شمس النهار".(السیل الجرار 313/3)لہذا جمہور کے نزدیک وقف کرنا مستحب اور مندوب عمل ہے.(الشرح الکبیر362/16)سوائے

حنفیہ کے کہ ان کے یہاں یہ جائزاور مباح ہے.(فتح القدیر لابن ہمام204/6)

جمہور کے دلائل بالکل واضح ہیں جو درج ذیل دلائل سے اپنا موقف ثابت کرتے ہیں:

1: لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ.(آل عمران92)

2:يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ. (البقرة:267)

3:"إنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ أصْلَهَا وتَصَدَّقْتَ بها، فَتَصَدَّقَ عُمَرُ أنَّه لا يُبَاعُ أصْلُهَا ولَا يُوهَبُ ولَا يُورَثُ في الفُقَرَاءِ".(صحیح البخاري2772)

4:"إذا مات الإنسانُ انقطع عنه عملهُ إلا من ثلاثةٍ: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له" "جب انسان فوت ہو جائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے (وہ منقطع نہیں ہوتے): صدقہ جاریہ, یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے, یا نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرے" (صحیح مسلم 1631) اس حدیث میں وارد صدقہ جاریہ کو امام نووی وقف ہی سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وكذلك الصدقة الجارية وهي الوقف"(شرح مسلم90/6)

وقف کی قسمیں:

وقف واقف کی نیت ارادے اور طریقے کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے، کبھی وہ عمومی طور پر کسی چیز، زمین اور دولت کو وقف کرتا ہے، تو کبھی کچھ خاص لوگوں پر اور خصوصی طور پر وقف کرتا ہے اور مشترک یعنی کچھ عام اور کچھ خاص طور پر وقف کرتا ہے.

اس اعتبار سے علماء نے اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

1: وقف خیری یا وقف عام: یعنی ایسا وقف کہ جسے واقف نیکی اور ثواب کی نیت سے مطلق طور پر وقف کر دے اگرچہ ایک متعین مدت ہی کے لیے کیوں نہ ہو، پھر وہ چیز کسی خاص شخص یا کچھ متعین لوگوں پر ہی کیوں نہ لوٹ آئے.

مثلا: کسی نے اپنی زمین مدرسہ یا اسپتال کے لیے وقف کر دی پھر بعد میں وہ وقف اس کی اولاد کے لیے خاص ہو جائے.(تفصیل کے لیے دیکھیں:أحكام الوقف في الفقه والقانون 25)

2: وقف اہلی یا وقف خاص: وہ یہ کہ جسے واقف ابتداء اور شروعات میں تو خود پر یا کسی خاص شخص یا اشخاص پر وقف کرے، اگرچہ بعد میں اسے مطلق طور پر خیر کے کاموں میں وقف کر دے.

مثلا: پہلے اپنے اوپر پھر اپنی اولاد پر وقف کرے پھر کہے کہ یہ اب عام ہے اس سے ہر طرح کے خیر کے کام میں مدد کی جا سکتی ہے.(الوصايا والوقف في الفقه الإسلامي 161)

3: وقف مشترک: وقف مشترک یہ کہ جسے دونوں طور پر استعمال کرنے کی واقف ہدایت دے دے.

مثلا: وہ کہے کہ میں میری اس زمین یا مال سے میری اولاد بھی منافع لے سکتی ہے اور کسی خیر کے کام میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے.

وقف کے ارکان و شروط:

وقف کی صحت اور اس کے انعقاد کے لیے اس میں کچھ ارکان کا پایا جانا ضروری ہے جن کے بغیر وقف درست نہیں ہوگا نیز ہر رکن کے کچھ شرائط بھی ہے جو اختصار کے ساتھ بیان کیے جا رہے ہیں: (واقف، موقوف، موقوف علیہ، صیغۂ وقف).

1: پہلا رکن: واقف، اس کے شرائط:

1: وہ آزاد ہو اور موقوفہ چیز پہلے سے ہی اس کی ملکیت میں ہو، لہذا غلام، غاصب اور چور کا وقف درست نہیں.

2: یہ کہ عاقل ہو چنانچہ مجنون، کم عقل اور نا سمجھ کا وقف درست نہیں، کیونکہ ہر تصرف عقل اور تمیز کا تقاضہ کرتا ہے جو کہ یہاں مفقود ہے.

4: یہ کہ بالغ ہو لہذا بچے اور نابالغ کا وقف درست نہیں خواہ وہ ممیز ہو یا غیر ممیز.

5: یہ کہ وہ رشید ہو یعنی بہتر اور احسن انداز میں تصرف کی اہلیت رکھتا ہو، نیز اسے بیوقوفی، نادانی، غفلت و بے توجہی اور افلاس کی وجہ سے وقف کرنے سے منع نہ کیا گیا ہو. اسی لیے جمہور کے یہاں بیوقوف، مفلس اور مغفل کا وقف درست نہیں البتہ حنفیہ کے نزدیک وہ مفلس جو قرض دار ہو اس کا وقف بغیر قرض خواہان کی اجازت کے نافذ نہیں ہوگا، گویا صحیح تو ہوگا لیکن نافذ نہ ہوگا. (الوصایاوالوقف في الفقه الإسلامي 176-177)

2: دوسرا رکن: موقوف، موقوفہ اشیاء میں بھی درج ذیل شرائط ضروری ہیں:

1: کہ وہ چیز مال متقوم ہو، یعنی اس کی کوئی قیمت ہو اور اس انسان کے قبضے میں بھی ہو نیز کشادگی اور اختیار کے وقت شرعا اس سے نفع بھی حاصل کر سکتا ہو، جیسے نقود، کتب، گھر وغیرہ. لہذا جو اختیار میں نہ ہو جیسے اڑتا پرندہ اور جس سے عام حالت میں انتفاع درست نہیں جیسے شراب تو اس کا وقف درست نہیں.

2: یہ کہ وہ شئ معلوم ہو مجہول نہ ہو، اسی لیے اگر کوئی کہے کہ میں اپنے زمین کا ایک حصہ وقف کرتا ہوں لیکن وہ متعین نہ کرے تو وقف درست نہیں.

3: یہ کہ واقف کی ملکیت ہو، فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ موقوفہ شیے پر واقف کی کلی ملکیت کا ہونا شرط ہے، اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا اس وقت وقف ملکیت ہونی چاہیے یا نہیں، لہذا مالکیہ اسے شرط نہیں مانتے جبکہ جمہور کے یہاں وقف کے وقت ملکیت ہونا لازم اور ضروری ہے۔

4: اور چوتھی شرط یہ کہ موقوفہ چیز اپنی اصل اور طبیعت کے اعتبار سے وقف کے قابل اور لائق ہو اور اس نے برابر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو، لیکن فقہاء کا اس بات پر اختلاف ہے کہ وہ چیز منقولہ ہو یا غیر منقولہ کیونکہ دونوں سے انتفاع کی شکلیں الگ الگ ہیں، البتہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ جو چیز اپنی اصل کے اعتبار سے وقف کے قابل ہو تو اس میں منقولہ اور غیر منقولہ دونوں شامل ہیں۔ (أحكام الوقف للكبيسي 351-377)

3: تیسرا رکن: الفاظ یا صیغۂ وقف اسکے شرائط:

1: فقہاء کا اس امر میں اتفاق ہے کہ وقف ایجاب کے ذریعے منعقد ہو جاتا ہے مگر قبول کے بارے میں اختلاف ہے۔ نیز ایجاب کے الفاظ میں دونوں صیغوں یعنی صریح جیسے وقفت، حبست، سبلت یا غیر صریح اور کنایۃ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، جیسے تصدقت حرمت وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: أحكام الأوقاف للخصاب 28)

4: چوتھا رکن: موقوف علیہ یعنی جو وقف سے مستفید ہونے والا ہے اسکے شرائط:

1: یہ کہ احسان اور تقرب الی اللہ کی غرض سے وقف کیا گیا ہو۔

2: وقف واقف کے پاس لوٹ نہ آئے، کیونکہ وقف میں کسی چیز کی ملکیت دوسرے کے سپرد کرنا ہوتا ہے اور واقف کا خود اپنی ملکیت کا مالک بن جانا حاصل کا حصول ہے جو کہ غیر درست اور محال ہے۔ (روضۃ الطالبین 383/4)

3: وقف یا تو معین پر ہو ایک یا ایک سے زائد پر یا غیر معین فقراء، مساکین، مساجد و مدارس پر، لہذا اگر معین پر وقف کرے تو وہ شخص ملکیت کا اہل ہونا چاہیے اور اگر غیر معین پر کرے تو ضروری ہے کہ وہ معصیت اور فسق و فجور کا کام نہ ہو۔(أحكام الوصايا والوقف لبدران أبي العينين279-290)

اسلام میں وقف کے مقاصد:

مذہب اسلام روز اول سے ہی دنیا اور آخرت میں انسانوں کے مصالح کی برآوری پر توجہ مرکوز کرتا ہے، ان کی ترقی، فلاح و کامرانی کے لیے الگ الگ طریقے سے امداد کرنے کی کوشش کرتا ہے، انہیں طریقوں میں سے ایک طریقہ وقف کا طریقہ ہے اس سے انسانیت کے بے شمار فوائد اور مصالح مربوط ہیں، وقف سے اسلام کے مقاصد ہیں:

1: پہلا مقصد یہ کہ اس کے ذریعہ سے قرآن و حدیث کی نشرو اشاعت کا کام ہو، مساجد و مدارس کی تعمیر ہو علم اور اہل علم کی معاونت کی جائے جس سے شرعی علوم کی حفاظت ہو، جیسے مسجد قباء کی تعمیر وغیرہ۔

2: پانی اور غذا وغیرہ کی فراہمی بھی مقصود ہوتی ہے جس سے غریبوں اور محتاجوں کی امداد ہوسکے، اس سلسلے میں ایک عدیم المثال کارنامہ مکہ میں نہر زبیدہ کا جاری کروانا بھی ہے۔

3: وقف کا ایک اہم مقصد بلاد اسلامیہ اور بلاد مقدسہ کی حفاظت بھی ہے، کہ وقف کے مال سے جنگی ساز و سامان خریدیں جائیں، فوج تیار کی جائے، اس سلسلے میں صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی کا کارنامہ اظہر من الشمس ہے۔

4: صحت علاج و معالجہ کے لیے وقف، صحت مندی انسان کی بنیادی ضرورت اور ایک عظیم نعمت ہے، اور وقف کے ذریعے یہ کام اجتماعی طور پر بڑے پیمانے پر انجام پا سکتا ہے، اس تعلق سے اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کا سن

88ھ میں دمشق میں بنوایا گیا شفاخانہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے، جو ہر طرح کی سہولیات سے اس وقت بھی مزین تھا.

5: یتیموں، ناداروں اور بیواؤں کی کفالت بھی وقف کے اولین مقاصد میں شمار کیا جاتا ہے، اس بارے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا وہ تاریخی جملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ "لئن سلمني الله لأدعنَّ أرامل العراق لا يحتجن إلى رجل بعدي أبدا "کہ اگر اللہ نے مجھے سلامت رکھا تو میں عراق کی بیواؤں کی اس حالت میں چھوڑ کے جاؤں گا کہ وہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ ہوں گی. (الخراج لابن آدم 59)

موقوفہ اشیاء اور تولیتِ وقف کے مختصر احکام

کسی بھی وقف شدہ چیز جس کا وقف صحیح اور درست ہو اس کی بیع کرنا یا اس کی ملکیت کسی دوسرے کو دینا درست نہیں، اور نہ ہی اسے تقسیم کرنا درست ہے الا کہ وہ چیز مشاع (وہ چیز جس میں کئی لوگوں کی شرکت ہو اور وہ ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو) میں سے ہو تو شریک اپنے حصہ سے اپنی غرض پوری کر سکتا ہے، اسی طرح موقوفہ شئی واقف کے بیان کردہ مقصد سے ہٹ کر استعمال نہیں کی جاسکتی ہاں اگر اس سے انتفاع دشوار ہو تو اسی جیسے مقصد میں استعمال کی جاسکتی ہے، اور موقوفہ چیز کو ہبہ رہن یا وراثت کے طور پر بھی نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح ایک بار وقف کر دینے کے بعد اس سے رجوع بھی کرنا جائز نہیں، اور کبھی اصل کو چھوڑ کر صرف منافع کا وقف کرنا بھی درست ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام نے اسے راجح قرار دیا ہے. (الاختیارات 295)

اسی طرح موقوفہ اشیاء کی ملکیت وقف کے وقت ہی اللہ کی جانب منتقل ہو جاتی ہے، البتہ اس کا منافع وقف کی جہت کے اعتبار سے وقف کردہ مقصد میں شامل ہو جاتا ہے.

اسی طرح وقف شدہ اشیاء کے لیے بالاتفاق ایک ناظر اور متولی متعین کرنا درست اور مستحسن ہے بلکہ بعض کے نزدیک واجب ہے جب مال کے ضیاع کا خدشہ ہو، ساتھ ہی اس کا عادل، عاقل، بالغ، امین اور مسلم ہونا شرط

ہے. لیکن اس میں مرد یا عورت کی کوئی قید نہیں دونوں وقف کی تولیت کا استحقاق رکھتے ہیں، جیسا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو ناظر بنایا تھا، نیز معروف طریقے سے مصالح شرعیہ کی بنیاد پر ناظر اور متولی کو اس وقف میں تصرف درست ہو گا. (الجامع لأحكام الوقف والهبات الوصايا لخالد المشيقح 345-347،قانون الوقف للسنهوري 189، الوصايا والوقف في الفقه الإسلامي 232)

وطن عزیز ہند میں قضیہ وقف وقف بل 2024 کے تناظر میں

وطن عزیز ہندوستان میں مسلمانوں کی موقوفہ ملکیت بہت بڑے پیمانے پر موجود ہے، بلکہ پورے ملک میں اتنے بڑے پیمانے پر ملکیت کے اعتبار سے ڈیفنس اور ریلوے سیکٹر کے بعد وقف کا ہی نمبر آتا ہے، جس کا مجموعی تخمینہ 9.4 لاکھ ایکڑ تک پہنچتا ہے.

لہذا اس کی دیکھ ریکھ اور تحفظ کے لیے مسلم قائدین کو ہمیشہ فکر دامن گیر رہی ہے، مسلم دانشوران کی کاوشوں سے آزادی سے قبل 1937 میں وقف اپلیکیشن ایکٹ منظور کیا گیا تھا، جس کے تحت کل آٹھ معاملات (نکاح، طلاق، خلع، فسخ، ہبہ، وصیت، وقف اور وراثت) آتے ہیں، اس ایکٹ کا خلاصہ یہ تھا کہ ان میں سے کسی کے متعلق کوئی معاملہ اگر عدالت میں آتا ہے اور دونوں فریق مسلم ہوں تو اس کا فیصلہ شرعی قوانین سے کیا جائے گا، چنانچہ 1937 سے برابر اس قانون پر عمل کیا جاتا رہا لیکن آزادی کے بعد کچھ ایسے فیصلے حکومتی اور عدالتی طور پر صادر کیے گیے کہ اس ایکٹ کی پاسداری محال سی ہوتی چلی گئی لہذا اس کے تحفظ کے واسطے 1973 میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا، جو ان تمام معاملات کی پیروی کرے گا جس میں عدالتی طور پر مسلمانوں کے حقوق میں دخل اندازی کی گئی ہو.

اور برابر آج تک مسلمانوں کے خاص دینی معاملات میں حکومتی و عدالتی طور پر رخنہ اندازی کی کوشش جاری ہے، خواہ وہ شاہ بانو کیس (1985) ہو، بابری مسجد کا مقدمہ ہو، طلاق ثلاثہ کا معاملہ ہو، نو مسلم سے نکاح کا فیصلہ ہو یا

مسلمانوں کے دیگر شرعی معاملے ہوں ان تمام میں جانبداری برتتے ہوئے اسلامی قوانین کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کو آئین کے تحت فراہم کردہ بنیادی حقوق کو نظر انداز کرکے فیصلے صادر فرمائے گیے ہیں، اسی سلسلے کی ایک کڑی حالیہ دنوں میں وقف بورڈ کے متعلق موجودہ فرقہ پرست اور فاشسٹ حکومت کے ذریعہ لایا گیا قانونی بل بھی ہے، دراصل حکومت کو یہ بات کیونکر گوارا ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کے پاس اتنے بڑے پیمانے پر املاک ہوں جو ان کی معاشرتی زندگی کو بہتر سے بہتر تر بنانے میں مدد و معاون ہوں، لہذا حکومت نے یہ قانون لاکر نہ صرف اپنے ناپاک ارادے ظاہر کیے ہیں بلکہ ایک خالص شرعی معاملہ میں نقب زنی کی کوشش کی ہے، اور اس بل میں بے جا سدھار اور اصلاح کے نام پر وقف کو ہائی جیک کرنے کی کوشش کر رہی ہے، جس پر مسلم سیاستداں، حزب واختلاف، دانشوران قوم اور غیر جانبدار صحافیوں اور ایک نیوٹرل لوگوں کے ایک بڑے طبقے نے شدید اختلاف درج کروایا ہے، ان کے سوالات بالکل درست ہیں اور ماضی میں حکومت کے ذریعہ کیے گیے اقدامات کی اگلی کڑی کے روپ میں بھی دیکھے جا رہے ہیں، یہ قدم دراصل گزشتہ چالوں کا ہی ایک تسلسل ہے۔ اور اس سلسلے میں مبصرین کا اعتراض درج ذیل ناحیوں سے ہی درست معلوم ہوتا ہے۔

*پہلا اعتراض تو اس قانون کے نام سے ہی ہے کہ اس کا نیا نام

United waqf management Empowerment, Efficiency and Development Act

رکھا گیا ہے، جس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ وقف کی اصل اہمیت کو ختم کرکے نہ صرف اس میں تبدیلی کی جائے گی بلکہ بالکل ایک نیا قانون متعارف کروایا جائے گا۔

*وقف کی تولیت جو کہ صرف مسلم کے ساتھ خاص ہے اس نئے قانون میں 2 غیر مسلمین کو داخل کرنا لازم اور ضروری قرار دیا گیا ہے۔

*اسی طرح اس میں وقف علی الواقف اور وقف علی الاولاد کو ختم کرنے کی سفارش کی گئی ہے، اور اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو اولاد کے مرنے کے بعد اسے وراثت کے طور پر تقسیم کرنے کی ہدایات بھی اس میں شامل ہیں، اور یہ تمام چیزیں وقف کی شرعی حیثیت سے سراسر متصادم ہیں.

*اسی طرح ایک سفارش اس میں یہ کی گئی ہے کہ لمبے وقت سے جو قبرستان، عید گاہ یا عبادت گا مستعمل ہیں, انہیں وقف کی ملکیت شمار نہیں کیا جائے گا.

*اسی طرح وقف پر قبضہ کرنے اور بے جا دعوی کرنے والوں کے لیے دفعہ A52 کے تحت جو سخت تعزیرات اور غیر ضمانتی وارنٹ کا قانون تھا اسے ختم کرنے کی بھی ہدایات موجود ہیں، جس سے نہ صرف وقف بورڈ کا کیس کمزور ہو گا بلکہ بد نیتوں کے لیے اس پر قبضہ آسان ہو جائے گا.

*اسی طرح وقف میں جو limitation act لگایا گیا تھا کہ اگر اس کا استعمال 20 سال سے زائد بھی کوئی کر رہا ہے, پھر بھی وہ وقف ہی کی ملکیت شمار کی جائے گی، اسے بھی ختم کرنے اور ہٹانے کی تجاویز اس قانون میں موجود ہیں. تفصیل کے لیے (PIB,Loksabha secretariat, Digital Sansad) ویبسائٹ دیکھی جاسکتی ہیں اور ان پر موجود وقف بل کا مجوزہ پلان پڑھا جا سکتا ہے.

غرض کہ یہ قانون کسی صورت میں مسلمانوں کے لیے مفید اور نفع بخش نہیں ہے. بلکہ ایک جانب اس مضبوط سسٹم کو کمزور اور مفلوج کرنے کی سازش ہے, تو دوسری طرف ہمارے شرعی معاملات میں دخل اندازی کی مذموم کوشش بھی ہے، لہذا ہمیں ایسے اقدامات سے آگاہ رہنے اور بیدار رہنے اور دوسروں کو بھی آگاہ کرنے کی ضرورت ہے. اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو آمین.

بے نمازی کی نمازِ جنازہ کا حکم

دکتور فاروق عبداللہ نراین پوری حفظہ اللہ

اسلام میں شہادتین کے اقرار کے بعد سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے۔اسلام میں یہ تصور نہیں کہ کوئی مسلمان بے نمازی ہو سکتا ہے، حتی کہ منافقین بھی نماز ادا کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کی لسٹ میں نام باقی رہے،اور کسی کو ان کے منافق ہونے کا شبہہ نہ ہو۔قرون اولی میں مسلمانوں میں دوسری بعض برائیوں کا تو تذکرہ ملتا ہے لیکن عموما نماز چھوڑنے کا نہیں۔

کتاب وسنت کے بے شمار نصوص بے نمازی کے کفر پر دلالت کرتے ہیں، حالانکہ اس بارے میں علما کا اختلاف رہا ہے کہ اس سے کفر اکبر مراد ہے یا کفر اصغر۔راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جس نے اپنی زندگی میں کبھی نماز ادا نہیں کی وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے،واللہ أعلم وعلمه أتم وأحكم۔

جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مجوسی ابو لؤلؤۃ نے خنجر مارا تو آپ اپنی نماز پوری نہ کر سکے، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی امامت کی،اور صحابہ کرام نماز سے فارغ ہوئے۔جب عمر رضی اللہ عنہ کو ہوش میں لایا گیا اور نماز کے بارے میں کہا گیا تو ان کا جواب تھا"نَعَمْ، وَلاَ حَظَّ فِي الإِسْلاَمِ لِمَنْ تَرَكَ الصَّلاَةَ" ۔(ہاں، اس شخص کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں جو نماز چھوڑ دے۔)، پھر آپ نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ زخم سے تیزی سے خون بہ رہا تھا۔[موطا امام مالک، حدیث نمبر 101)

یہی بات دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "العَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ". [رواہ أحمد (346/5)والترمذي(2623)وابن ماجہ(1079)وغيرهم،وقال الشيخ الألباني في تعليقه على كتاب الإيمان لابن أبي شيبة (ص15):"اسنادہ صحيح على شرط مسلم)

مشہور تابعی عبد اللہ بن شقیق العقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "كان أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم لا يرون شيئا من الأعمال تركه كفر غير الصلاة"۔(سنن الترمذي:2622)

صحابہ کرام نماز کے علاوہ اور کوئی دوسرا عمل ایسا نہیں تھا جسے چھوڑنے کو کفر سمجھتے تھے۔

بظاہر اس میں انھوں نے تارک صلاۃ کے کفر پر صحابہ کرام کا اجماع نقل کیا ہے۔

لیکن کیا اس سے مطلق نماز چھوڑنے والا مراد ہے؟ یا وہ بھی اس میں شامل ہے جو کبھی کبھی نماز پڑھتا ہے اور کبھی چھوڑتا بھی ہے؟

اس بارے میں علما کے مابین اختلاف ہے۔

راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھا جائے گا جو کبھی نماز پڑھتا ہے اور کبھی چھوڑتا ہے، بلکہ وہ شرعی نقطہ نظر سے فاسق اور مرتکبِ کبیرہ ہے، گرچہ وہ بلا شبہ بہت ہی سنگین جرم کا مرتکب ہے، لیکن کافر نہیں۔والله أعلم وعلمه أتم وأحكم۔

عموماً جو حضرات ایسے شخص کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں وہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کی کتاب "حکم تارک الصلاۃ" کا حوالہ دیتے ہیں جیسے کہ کئی حضرات سے اس مسئلہ پر بات کرنے کے بعد احساس ہوا، حالانکہ خود شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اپنے کئی دروس میں اس پر تنبیہ کی ہے کہ ترک صلاۃ گرچہ کفر ہے لیکن کبھی کبھی نماز پڑھنے والا اور کبھی کبھی چھوڑنے والا کافر نہیں۔

آپ سے سوال کیا گیا کہ ایسا شخص جو کبھی نماز پڑھتا ہے اور کبھی چھوڑتا بھی ہے تو کیا ایسا شخص کافر ہے؟

آپ نے جواب دیا کہ ایسے شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

آپ کے الفاظ یہ ہیں:"الذي يظهر لي أنه لا يكفر إلا بالترك المطلق بحيث لا يصلي أبداً، وأما من يصلي أحياناً فإنه لا يكفر لقول الرسول، عليه الصلاة والسلام: " بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة. ولم يقل ترك صلاة، بل قال: " ترك الصلاة ". وهذا يقتضي أن يكون الترك المطلق، وكذلك قال:" العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة فمن تركها –أي الصلاة – فقد كفر" وبناء على هذا نقول: إن الذي يصلي أحياناً ليس بكافر". (مجموع فتاوی ورسائل العثیمین (55-56/12)

مجھے لگ رہا ہے جب تک مطلقاً نماز ترک نہ کرے یعنی کہ کبھی بھی نماز پڑھتا ہی نہ ہو تب تک کافر نہیں ہوگا۔البتہ وہ شخص جو کبھی نماز پڑھتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہوگا: آدمی اور شرک وکفر کے مابین حد فاصل نماز کا ترک کرنا ہے، یہ نہیں کہا کہ "ایک نماز" کا ترک کرنا ہے، بلکہ کہا: "نماز کا ترک کرنا ہے"۔ یہ لفظ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مطلقاً نماز ترک کردے۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمارے اور منافقوں کے درمیان جو (فرق کرنے والا) عہد ہے، وہ نماز ہے، تو جو اسے چھوڑدے گا، کافر ہو جائے گا"۔اس بناپر ہم کہتے ہیں: جو شخص کبھی نماز پڑھتا ہے وہ کافر نہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا مذکورہ کلام تارک صلاۃ کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے نہایت ہی اہم ہے۔تارک صلاۃ کے کفر پر صحابہ کرام کا اجماع ہے لیکن کسے تارک صلاۃ کہا جائے اس بارے میں اختلاف ہے۔خود شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ تارک صلاۃ کے کفر کے قائل ہیں لیکن شیخ نے خود اس کی بہترین توضیح کی ہے کہ کسے تارک صلاۃ کہا جائے اور کسے نہیں۔

اب آتے ہیں بے نمازی کی وفات کے بعد اس کے نماز جنازہ کے مسئلہ پر:

کسی بھی مسلمان کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔اگر تمام لوگ ترک کردیں تو سبھی گنہگار ہوں گے۔اور ابھی بیان کیا گیا کہ اگر کوئی کبھی نماز پڑھتا ہے، کبھی چھوڑتا ہے تو ایسا شخص کافر نہیں، مسلمان ہی ہے لیکن بہت بڑا فاسق ہے۔

اور کوئی گرچہ سخت فاسق ہو لیکن جب تک مسلمان ہے اس پر جنازہ کی نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔ اگر تمام لوگ ترک کر دیں تو سبھی گنہگار ہوں گے۔

ہاں البتہ جس طرح دوسرے بعض گناہوں کے متعلق آیا ہے کہ معاشرہ کے معزز و نیک لوگ شرکت نہ کریں بلکہ عام لوگ جنازہ پڑھ لیں اسی طرح بے نمازی کے ساتھ سلوک کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، بلکہ ایسا کرنا چاہئے تا کہ دوسروں کے لئے نشان عبرت بنے۔

البتہ یہ ضرور دھیان رکھنا چاہئے کہ یہ ایک تادیبی کاروائی ہے، کہیں اس کاروائی سے اس سے بڑا کوئی فتنہ نہ جنم لے لے، اور نہ معاشرہ کا امن وامان تباہ و برباد ہو جائے۔ اس لئے معاشرہ کے سرکردہ لوگوں کو اتفاق رائے سے ایسی کوئی کاروائی کرنی چاہئے۔

ایک ضروری تنبیہ:

تارک صلاۃ پر کفر کا حکم یہ "حکم عام" ہے۔ اس سے کسی ایسے معین شخص کو جو کلمہ "لا الہ الا اللہ" کا اقرار کرتا ہو بالتعیین کافر کہنا صحیح نہیں، یہاں تک کہ اس پر حجت قائم ہو جائے، تکفیر کے تمام شروط پائے جائیں اور کوئی چیز مانع نہ ہو۔ نیز بالتعیین تکفیر یہ کسی بھی ایرے غیرے اور طلبہ علم کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ علمائے راسخین کا کام ہے جن کے علم کی گواہیاں دی جاتی ہیں۔

افسوس کہ بعض مقررین وواعظین اس طرح کی تکفیر میں بہت آگے ہوتے ہیں، اور کسی بھی ایسے شخص پر جو پنجوقتہ نماز کا اہتمام نہیں کرتے کفر کے فتوے لگاتے پھرتے ہیں، بلکہ احکام کفر کی تطبیق دینے کی دعوت دیتے ہیں، مثلا بالتعیین ان کا ذبیحہ حرام سمجھتے ہیں، ان سے کفار جیسا تعامل کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک یہ مسلمان نہیں۔

یقینا اتمام حجت سے قبل اس طرح کی بالتعیین تکفیر سلف صالحین کا منہج نہیں، بلکہ خوارج کا طریقہ ہے۔

جہمیہ جو اللہ رب العالمین کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار کرتے تھے ان سے مناظرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے تھے: ''أنا لو وافقتكم كنت كافرًا لأني أعلم أن قولكم كفر وأنتم عندي لا تكفرون لأنكم جهال''۔[الرد على البكري(494/2)

اگر میں تمھاری موافقت کروں تو کافر ہو جاؤں گا اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ تمھارا یہ قول کفریہ قول ہے لیکن باوجود اس کے تم میرے نزدیک کافر نہیں کیونکہ تم سب جاہل ہو۔

پتہ چلا کہ صرف کفریہ عقیدے یا عمل کے پائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ یہ عقیدہ رکھنے والا یا عمل کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو ہی چکا ہے، بلکہ کسی کو بالتعیین دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے اصول وضوابط ہیں جنھیں علمانے ''ضوابط التکفیر'' کے مسئلہ میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔

اللہ تعالی ہمیں صحیح علم کی رہنمائی کرے اور حکمت ومصلحت کی دولت سے نوازے۔ آمین۔

تعزیت کے آداب اور غیر مشروع اعمال

مشتاق احمد بن مختار احمد (استاذ جامعہ اسلامیہ دریاباد)

اسلام جو کہ ایک آفاقی مذہب ہے جس کی راتیں دن کی طرح روشن ہیں وہ اپنے ماننے والوں کو غمگساری، خیر سگالی، خبر گیری وغیرہ کی تعلیم دیتا ہے. معاشرہ جو فرد سے ہوتا ہوا ایک سوسائٹی کی شکل اختیار کرلیتا ہے, اس میں بسنے والوں کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں, اور اپنائیت کا اظہار کریں, صبر وضبط کی تلقین کریں۔ کیونکہ بسا اوقات انسان ایسی مشکلات اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جب تک دوسرے لوگ اس کی تعزیت نہ کریں اس کے دل کو تسلی نہیں ملتی. تعزیت کیا ہے؟ اس کے آداب کیا ہیں؟ نیز عصر حاضر میں تعزیت کے نام پر کتنی بدعتیں ایجاد ہو چکی ہیں, ان سارے امور پر زیر نظر مضمون میں گفتگو کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تعزیت عزاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں مصیبت زدہ شخص کو صبر وضبط کی تلقین کرنا، دلاسا دینا، نازل شدہ مصیبت پر اجر وثواب کی یاد دہانی کرانا نیز میت کے لئے دعا کرنا وغیرہ۔ (المغنی لابن قدامہ 405/2 والإنصاف للمرداوی 564/2)

تعزیت شرعی نقطہ نظر سے ایک مشروع اور مستحسن عمل ہے جس کے بے شمار دلائل ہیں بطور مثال میں دو حدیث کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔ قرہ مزنی سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا بھلا آپ کو اس بچے سے محبت ہے اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ آپ سے اس طرح محبت فرمائے جیسا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اس بچے کے والد کو چند روز نہ دیکھا تو آپ نے استفسار کیا کہ فلاں انسان کے بیٹے کا کیا حال ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ فوت ہو گیا ہے یہ سنتے ہی آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اس کے گھر جاتے

ہیں اور اس کی تعزیت کرتے ہیں پھر آپ اس شخص سے فرماتے ہیں کہ تمہارے نزدیک یہ محبوب تھا کہ تم اس کے ذریعہ اپنی زندگی کو سنوارتے فائدہ اٹھاتے یا تم اس کو جنت کے دروازوں میں سے کسی دروازے کے پاس دیکھنا چاہتے ہو جو تمہارے لئے دروازہ کھولے اس شخص نے کہا اے اللہ کے رسول میں تو چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے سبقت کر جائے اور میرے لئے جنت کا دروازہ کھولے یہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس پر آپ نے فرمایا تو ایسا تمہارے لئے ہے۔(سنن النسائی باب فی التعزیۃ2088 وصححہ الألبانی فی صحیح الجامع الصغیر 13923)

اس حدیث سے تعزیت کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے دوسری حدیث جو اس سے قدرے مختلف ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ آدمی ایسے موقع پر کون سی دعا پڑھے۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کی ایک صاحبزادی (زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ کو اطلاع کرائی کہ میرا ایک لڑکا مرنے کے قریب ہے اس لئے آپ تشریف لائیں۔ آپ نے انہیں سلام کہلوایا اور کہلوایا کہ: لله ما أخذ ولله ما أعطى، كل بأجل، فلتصبر ولتحتسب" کہ اللہ ہی کا سارا مال ہے جو لے لیا وہ اسی کا تھا اور جو اس نے دیا وہ بھی اسی کا تھا اور ہر چیز اس کی بارگاہ سے وقت مقررہ پر ہی واقع ہوتی ہے۔ اس لئے صبر کرو اور اللہ تعالی سے ثواب کی امید رکھو۔ پھر زینب رضی اللہ عنہا نے قسم دے کر اپنے یہاں بلوا بھیجا۔ اب رسول اللہ ﷺ جانے کے لئے اٹھے آپ کے ساتھ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، أبي بن کعب، زید بن ثابت اور بہت سے دوسرے صحابہ بھی تھے۔ بچے کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا گیا جس کی جانکنی کا عالم تھا۔ ابو عثمان نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اسامہ نے فرمایا کہ جیسے پرانا مشکیزہ ہوتا ہے (اور پانی کے ٹکرانے کی اندر سے آواز ہوتی ہے، اسی طرح جانکنی کے وقت بچہ کے حلق سے آواز آرہی تھی) یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ سعد رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ یا رسول اللہ! یہ رونا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ جسے اللہ تعالی نے اپنے (نیک) بندوں کے دلوں میں رکھا ہے اور اللہ تعالی بھی اپنے ان رحم دل بندوں پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔(صحیح بخاری، کتاب الجنائز, باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببعض بکاء أہلہ علیہ 1284)

ان دونوں حدیثوں سے یہ بات مترشح ہو جاتی ہے کہ تعزیت کی کیا کیفیت ہونی چاہئے, سنجیدگی متانت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنا نہیں چاہیئے, ایسا نہیں ہمارے جزع فزع کرنے سے مصیبت دور ہو جائے گی؛ کیونکہ مقدر میں جو لکھ دیا گیا ہے وہ تو ہو کے رہے گا, اسلئے ایسا کام کیا جائے جس سے دل کو اطمینان اور قرار حاصل ہو اور اجر عظیم کے مستحق بھی بنیں۔

تعزیت ایک محبوب عمل ہے تعزیت کرنے والے شخص کے بارے میں بڑی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مومن بھائی کی تعزیت کرے گا تو اللہ اس کو سرسبز جوڑا بروز قیامت پہنائے گا جس کے ذریعہ وہ رشک کیا جائے گا۔(معرفة السنن للآثار للبيهقی، باب التعزية وما يهيأ لأهل الميت 2187 وحسنه الألبانی فی الإرواء 756)

تعزیت کا کوئی خاص لفظ نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ تعزیت کرنا واجب قرار دیا جائے بلکہ تعزیت کا اصل مقصد میت کے گھر والوں کو تسلی دینا، صبر وضبط کی تلقین کرنا، رونے پیٹنے چیخنے سے روکنا, اللہ کی قضاء وقدر پر راضی کرانا, یہی دراصل تعزیت کا مفہوم ہے, البتہ اس سلسلے میں سب سے بہتر تعزیت کے کلمات وہی ہیں جو اوپر کی حدیث میں مذکور ہیں۔(لله ما أخذ, ولله ما أعطى، وكل بأجل، فلتصبر ولتحتسب) اس کے علاوہ بھی بہت سارے الفاظ مروی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے جب جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اس موقع پر آپ نے کہا تھا: "اللهم اخلف جعفرا فی أهله خيرا وبارک لعبدالله فی صفقة يمينه" (آپ نے اس کو تین بار کہا تھا)(مسند احمد 279/3، رقم 1750)

فقہاء کرام کے یہاں تعزیت کے بے شمار الفاظ ان کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں، چند ایک کا یہاں ذکر فائدے سے خالی نہ ہو گا۔

(1)"عظّم الله أجرک وأحسن عزاء ک وغفر لميتک، وألهمک صبرا وأجزل عنا ولک بالصبر

أجرا"(رد المختار علی الدر المختار لابن عابدین 241/2)

(2)"أعظم الله أجرک وجبرک مصیبتک وأحسن عزاءک وأعقبک عقبا نافعا لدنیاک وأخراک" (شرح خلیل للخرشی 435/5، وحاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر 151/4)

تعزیت کے آداب: تعزیت کے بے شمار آداب ہیں، بعض کا تعلق تعزیت کرنے والے سے ہے, اور بعض کا تعلق اس سے ہے جسکو تعزیت کیا جاتا ہے۔ یہاں سب سے پہلے تعزیت کرنے والے کے آداب کیا ہیں ان کو ذکر کیا جارہا ہے۔

1: مصیبت زدہ شخص کی غمخواری اور صبر کی تلقین کرنے میں جلدی کرنا۔

2: انتہائی سکون و وقار کے ساتھ مصیبت زدہ شخص کے گھر جانا۔

3: بہترین اور مناسب الفاظ کا انتخاب کرنا، اور اگر وارد شدہ دعاوؤں کا استعمال کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

4: مصبت زدہ شخص کو صبر کی فضیلت کی یاد دہانی کرانا نیز قضاء الٰہی پر رضامندی کا اظہار کرنا۔

5: بطور خاص بچوں کی غمخواری اور انکو دلاسا دینا، اسی طرح عورتوں کی بھی تعزیت کرنا بشر طیکہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو۔

6: ان کے لئے کھانا تیار کرنا، کیونکہ ان کو مصیبت نے مشغول کرر کھا ہے۔

7: خاص طور سے تلبینہ کا اہتمام کرنا، کیونکہ اس سے غم ہلکا ہوتا ہے، مریض کے دل کو سکون ملتا ہے۔(عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (التلبینة مجمة لفؤاد المريض تذهب ببعض الحزن)(بخاری، كتاب الأطعمة، باب التلبينة برقم/5417، ورقم:5689، ورقم:5690) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تلبینہ ایسا کھانا ہے جو آٹے یا بھوسی (جو چھاننے کے بعد چھلنی میں رہ جائے) اور شہد ملا کر بنایا جائے، اس کا نام تلبینہ اس لئے پڑا کیونکہ یہ سفیدی اور باریکی میں دودھ کے مشابہ رہتا ہے۔(هدي الساری مقدمہ

فتح الباری لابن حجر ص:182)

8:تعزیت کے لئے مناسب وقت اختیار کرنا۔(اس سلسلے میں بہت سارے لوگ وقت کی رعایت نہیں کرتے ہیں اور بسا اوقات قیلولہ کے وقت، عشاء کے بعد، یا ان اوقات میں جن میں زیارت مناسب نہیں ان میں لوگ تعزیت کے لئے جاتے ہیں، جو کہ انتہائی غیر مناسب ہے).

مصیبت زدہ شخص کے آداب میں سے یہ ہے کہ ایسے موقع پر صبر کا دامن تھامے رکھے، احتساب کی نیت کو ملحوظ خاطر رکھے، مصیبت کے وقت **"إناللہ وإناإلیہ راجعون"** کو پڑھے، تعزیت کرنے والے شخص کو دعائیں دے، مثلا جزاک اللہ خیرا وغیرہ(العزاء بدع و منکرات وآداب ص:25،22،21)ایسے موقع پر اگر آنکھ سے آنسو آجاتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ نبی ﷺ بھی اپنے بیٹے کی وفات پر ضبط نہ رکھ سکے اور روپڑے اور اس وقت آپ نے کہا تھا:" **العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول إلا مایرضی ربنا وإنا بفراقک یا إبراهیم لمحزونون**"کہ آنکھیں اشکبار ہیں، دل کبیدہ خاطر ہے، البتہ ہم وہیں کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہے، اور اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے بہت غم میں ہیں۔(صحیح بخاری(1303)، صحیح مسلم 2315)

مذکورہ بالا باتیں ایک مصیبت زدہ شخص کے لئے شرعا مشروع ہیں، البتہ اس کے علاوہ بہت سارے ایسے اعمال ہیں جو ان جیسے مواقع پر شعوری یا غیر شعوری طور پر انجام دئے جاتے ہیں جو شریعت کے بالکل مخالف ہیں، ان بدعات اور غیر مشروع اعمال کا ذکر آنے والی سطروں میں کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

(1)میت کے گھر والوں کا تعزیت کرنے والوں کے لئے کھانا تیار کرنا۔ جبکہ یہ انتہائی منکر اور غلط بات ہے اور سراسر ناجائز ہے۔میت کے اہل خانہ کا لوگوں کے لئے کھانا بنانا یہ مزید مصیبت ہے، اور اس طرح کا فعل جاہلیت کے مشابہ ہے جیساکہ جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: **کنا أی معشر الصحابة نعد الاجتماع إلی أهل المیت وصنعة الطعام بعد دفنه من النیاحة**"(مسند أحمد(رقم/6905، وإسنادہ صحیح علی شرط

الشیخین کما قال الألبانی فی أحکام الجنائز ص/167) صحابی کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کی جماعت میت کے گھر پر اکٹھا ہوتے اور دفن کے بعد کھانا بنانے کو نوحہ میں شمار کرتے تھے۔(گویا کہ یہ عمل بإجماع صحابہ بدعت ہے۔)ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کی سنت یہ تھی کہ اہل میت لوگوں کے لئے کھانا نہیں تیار کرتے بلکہ آپ نے حکم دیا لوگ ان کے لئے کھانا تیار کریں اور ان تک پہونچائیں، اور یہ انتہائی اعلی اخلاق اور بہترین کردار کی دلیل ہے۔(زادالمعاد 528/1)

2)میت کے دفن کے بعد قرآن خوانی کا اہتمام، اور اس کے ثواب کو مردے کو ایصال کرنے کا عقیدہ رکھنا۔(یہ عمل بھی شرعا بدعت ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "القراءة على الميت بعد موته بدعة" (الاختیارات العلمیۃ ص/۵۳)ایسے ہی قبر پر قرآن کریم کی تلاوت کرنا یہ بھی بدعت ہے۔امام ابوداؤد السجستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سمعت أحمد سئل عن القراءة عند القبر فقال: لا"یعنی امام احمد رحمہ اللہ سے قبر پر قرآن کی تلاوت کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے جواب دیا ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔(مسائل الإمام أحمد لأبی داؤد ص/224)

(3)نوحہ کرنا، چیخنا چلانا، جزع فزع کرنا۔(یہ بھی شرعا ممنوع ہے)آپ ﷺ نے فرمایا: "ليس منا من لطم الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية"(بخاری رقم الحدیث1232)(ہمارے طریقے پر وہ نہیں جو رخساروں پر مارے، گریبان چاق کرے، اور جاہلیت کی پکار پکارے).

اس کے علاوہ بہت ساری ایسی بدعتیں ہیں جو تعزیت کے نام پر کی جاتی ہیں، مثال کے طور "تعزیتی میٹنگ" کا انعقاد کرنا، یہ وبا بھی بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ اللہ ہمیں بدعات و خرافات سے بچائے اور سنت کا داعی اور عامل بنائے آمین۔

والدین کی نافرمانی،اسباب وعلاج

صادق عتیق صدیقی(طالب جامعہ اسلامیہ مدینہ نبویہ)

اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی بقاءاور دنیوی واخروی کامیابی کے پیش نظر ہمارے لیے ہر قسم کے رشتوں کے حقوق وفرائض کو شریعت میں واضح طور پر بیان کیا ہے، جن کی بجاآوری سے ہم اپنی زندگی کو سکون واطمینان والی زندگی بنا سکتے ہیں اور معاشرتی محبت ومودت کو پھیلا سکتے ہیں.

رشتوں میں سب سے پاکیزہ اور اہم رشتہ والدین کا ہے، جن کے ذریعے سے اس دنیا میں ہمارا وجود ہے جن کے احسانات کا بدلہ ہم نہیں چکا سکتے، شریعت اسلامیہ نے ماں باپ کو بہت عظیم مقام عطا کیا ہے،انہیں ڈانٹنے، جھڑکنے بلکہ اف تک کہنے سے بھی منع کیا ہے،اولاد پر والدین کے بے پناہ احسانات ہوتے ہیں،مادر رحم سے لیکر وفات تک شفقت مادری اور نصرت پدری ملتی ہے،ان کے احسانات کا کوئی شمار ہے نہ ہی کوئی ان کا بدلہ چکا سکتا ہے،قرآن نے ماں کے فقط اس احسان کو جو پیٹ میں رکھ کر کرتی ہے "وھنا علی وھن "یعنی مصیبت پر مصیبت کہا ہے،اللہ رب العالمین نے فرمایا: (وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ) (سورہ لقمان:14)

ترجمہ: ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور دو سال میں اس کی دودھ چھڑائی، تو میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر کر،(تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے.

حقوق العباد میں سے سب سے مقدم حق والدین کا ہے،اور یہ اتنا اہم حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق عبادت کے بعد جس حق کو ذکر کیا ہے وہ والدین ہی کا حق ہے،والدین کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے، نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ان کی اطاعت وفرماں برداری کی جائے اور ہمیشہ ان کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے،یہ

اولاد کے فرائض میں شامل ہے. لہذا اس میں کوتاہی کرنے والا والدین کا نافرمان اور گناہ کبیرہ کا مرتکب شمار ہوگا،اللہ تعالی نے اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیاہے جو اس بات پہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کے بعد اہم ترین فریضہ والدین کی اطاعت ہے،اللہ تعالی کا فرمان ہے:(وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا) (سورہ الاسراء:23)

ترجمہ:اور تمہارے رب نے یہ فیصلہ کردیاہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنااور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔اگر تمہاری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا،نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنابلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات کرنا.

اس آیت کریمہ پر غور کریں کہ اللہ نے کس طرح اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیاہے،اسی طرح "امام قرطبیؒ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:اس آیت میں اللہ تعالی نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب قرار دیاہے جیسا کہ سورہ لقمان میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم قرار دیاہے "أن اشكر لي ولوالديك" یعنی میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی." (تفسیر قرطبی 13/2)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم اور اللہ تعالی کے شکر کی طرح والدین کا شکر گذار ہوناواجب ہے، صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی اسی پر شاہد ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ کون سا عمل محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز اپنے وقت میں ادا کرنا،اس نے پھر دریافت کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: والدین کے ساتھ اچھا سلوک. (صحیح البخاری 5970)

معلوم ہوا کہ عبادت کے بعد اطاعت والدین کا درجہ ہے اور گناہ میں شرک کے بعد والدین کی نافرمانی کا درجہ ہے یہی وجہ ہے کہ والدین کے ساتھ نافرمانی کرنے والوں کے متعلق شریعت اسلامیہ نے مختلف قسم کی شدید سے شدید سزائیں سنائی ہیں،اللہ تعالی ایسے شخص کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں اور نہ ہی اسے جنت میں داخل کرے گا،(ثلاثٌ لا يدخلون الجنةَ ولا ينظرُ اللهُ إليهم يومَ القيامةِ العاقُّ لوالديه)(سنن النسائی 2443 صحیح)اور ایسا شخص اللہ کی لعنت کا بھی مستحق ہوگا،نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"ملعونٌ من عقَّ والدَيه" (صحیح الترغیب:2420)جو اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے وہ ملعون ہے.

اسی طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی نافرمانی کو گناہ کبیرہ بتایا ہے: نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:(ألا أخبرُكم بأكْبرِ الكبائرِ.قالو: بلَى يا رسولَ اللّهِ،قالَ الإشراكُ باللّهِ،وعقوقُ الوالدَينِ)(صحيح البخاري:6273)

کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے گناہ کے متعلق نہ بتلادوں،صحابہ کرام نے عرض کیا،کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے فرمایا:اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا.

قارئین کرام:

اولاد نیک ہو تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب ونظر کی تسکین وراحت کا سبب بنتی ہے،اولاد کی نیکیوں کا صلہ والدین کو دنیا میں نیک شہرت اور وفات کے بعد صدقہ جاریہ کی شکل میں ملتا رہتا ہے،لیکن اگر اولاد بگڑ جائے نافرمان ہو جائے تو دل کے لئے ناسور بن جاتی ہے اور ان کی بداعمالیاں والدین کے چین وسکون کو غارت کردیتی ہیں اور کبھی ان کے لئے ندامت ورسوائی کا باعث بن جاتی ہیں،یہاں تک کہ قرآنِ کریم میں ایسے بچے کے لیے سفارش کرنے سے منع کرتے ہوئے نوح علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے فرمایا:يانُوْحُ اِنَّه لَيْسَ مِنْ اهِلك اِنَّه عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَك بِه عِلْمٌ اِنِّي اَعِظُك اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الجاهلين (سورہ ھود:46)

ترجمہ:اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے،اس کے اعمال اچھے نہیں ہیں،جو بات تجھے معلوم نہیں(جس کی حقیقت تو نہیں جانتا)اس چیز کا مجھ سے سوال مت کر،میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ کہیں تو جاہلوں میں سے نہ ہو جا.

اب آیئے ہم غور کرتے ہیں کہ اولاد اپنے والدین کی نافرمانی کیوں کرتی ہے اس کے وجوہات کیا ہیں اور اس کا علاج کیسے ممکن ہے،سماج پر طائرانہ نظر دوڑائیں معاشرے کا جائزہ لیں تو 90 فیصد لوگوں کو ہم پائیں گے جن کی زباں پر یہ شکایت ہوگی کہ ہماری اولاد نافرمان ہے،ہمیں تکلیف دیتے ہیں،ہمارا کہنا نہیں مانتے،آخر ایسا کیوں؟اس کے کیا وجوہات ہو سکتے ہیں؟

تو اس کے بہت سارے وجوہات ہو سکتے ہیں،جس میں سے اہم اور پہلی چیز جس سے تربیت کی شروعات ہوتی ہے کہ بچوں کی ماں کیسی ہے،اور یہ اچھی تربیت میں جزلاینفک ہے کہ ماں اچھی ہو،اس کی اسلاف میں بہت سی مثالیں مرقوم ہیں جیسے امام شافعی رحمہ اللہ کی تربیت ان کی ماں نے کی تھی،اور امام بخاری رحمہ اللہ کو کون نہیں جانتا انہیں امام بخاری بنانے میں ان کی ماں کا کردار ہے،کیونکہ بچے کی سب سے پہلی تربیت گاہ ماں کی آغوش ہے،بچہ ماں کے ایک ایک قطرۂ شیر کے ساتھ اس کے اخلاق وعادات کو بھی اپنے دل ودماغ میں اتارتا جاتا ہے،ماں اگر مومنہ ومسلمہ اور پابندِ شریعت ہے تو بچے سے بھی یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ آئندہ چل کر صاحبِ ایمان اور پابندِ شرع ہوگا،اگر بد قسمتی سے ماں ہی دین وایمان سے خالی،آزاد خیال اور فیشن کی دل دادہ ہے تو اس سے پیدا ہونے والی نسل بھی فیشن پرست،دین بے زار اور اسلامی تربیت سے عاری ہوگی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آگے چل کر نافرمان بھی ہوگی.

دوسری وجہ:ہم خود یہ سوچیں کہ ہمارا اپنا رویہ اپنے والدین کے ساتھ کیسا تھا یا کیسا ہے؟ہم نے والدین کے ساتھ کیسا سلوک اختیار کیا ہے؟یاد رہے کہ یہ دنیا مکافات عمل ہے آج ہم اپنے والدین کے ساتھ جیسا سلوک کریں گے کل ہماری اولاد بھی ہمارے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے گی،جو بوئیں گے وہی کاٹیں گے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ

کی اولاد آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کرے تو آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنے والدین کی اطاعت وفرمانبرداری کیجئے، ان کا ادب واحترام کیجئےتا کہ آپ کے بچے آپ کو دیکھ کر نصیحت حاصل کریں.

تیسری وجہ: جو سب سے اہم ہے کہ جس خالق نے آپ کو پیدا کیا ہے، آپ اُس کے کتنے فرماں بردار ہیں؟ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد جن کے آپ خالق نہیں ہیں، وہ آپ کے فرماں بردار ہو جائیں، تو جس نے آپ کو پیدا کیا ہے وہ بھی چاہتا ہے کہ آپ اُس کے فرمانبردار ہو جائیں، آپ اپنی فرماں برداری پروردگار کے لیے بڑھادیں تا کہ آپ کی اولاد آپ کی فرماں بردار ہو جائے اور زندگی کا صحیح سکون اور راحت آپ کو نصیب ہو، سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب رات میں نوافل کی ادائیگی کر رہے ہوتے تو سامنے اپنے چھوٹے بچے کو سویا ہوا دیکھ کر کہا کرتے تھے "(من أجلك یا بنی.)" اے میرے بیٹے یہ تیرے روشن مستقبل کے لئے ہے اور روتے ہوئے (وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا) کی تلاوت کرتے، سعید ابن المسیب کا بھی یہی حال تھا فرمایا: (إني لأصلي فأذكر ولدي فأزيد في صلاتي). (تفسیر بغوی 5/196)

چوتھی وجہ: اولاد کے درمیان عدل وانصاف: والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کے مابین عدل وانصاف سے کام لیں، کسی بچے میں عقل مندی دیکھی تو اسے تمام بچوں پر ترجیح دے دی، اور دوسروں کو کمتر سمجھنے لگے، کوئی زیادہ خوب صورت ہے تو اس سے بے حد پیار کیا، کسی کو اس لئے دھتکارا کہ وہ لڑکی ہے یا چالاک وہوشیار نہیں ہے، یہ اولاد کے ساتھ ظلم ہے، اس سے اولاد کے مابین آپس میں بغض وعناد پیدا ہو جاتا ہے، یہ جذبہ انھیں کبھی کبھی ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتا ہے، اور ایسا رویہ والدین سمیت آپسی (بہن، بھائیوں) میں بھی نفرت کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے بلکہ قتل کر دینے تک کی سوچنے لگتے ہیں، "صحیح مسلم 1623" کی روایت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (اِتقوا الله وَاعْدِلُوْا فِي أَوْلَادِكُم) اولاد کے معاملے میں) اللہ تعالی سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف سے کام لو.

پانچویں وجہ: اولاد سے محبت میں کمی: بعض والدین کا اپنی اولاد سے رویہ انتہائی خشک اور محبت وشفقت سے خالی رہتا ہے، وہ اپنے باپ ہونے کا صرف یہی ایک سب سے بڑا حق سمجھتے ہیں کہ بچوں کے ساتھ سختی سے پیش آیا جائے اوران کے ساتھ تلخ رویہ اپنایا جائے، بسااوقات والد کے اس معاندانہ رویے سے عاجز آکر بچے پہلے تو احتجاج کرتے ہیں، جب احتجاج سے مطلب پورا نہیں ہوتا تو پھر ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغاوت پر مائل ہو جاتے ہیں، اور یہیں سے نافرمانی کا راستہ نکلتا ہے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں بھی ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں آپ بچوں کے ساتھ بے انتہا محبت وشفقت سے پیش آیا کرتے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو پیار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سیدنا اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، انہوں نے کہا: میرے پاس دس لڑکے ہیں، لیکن میں نے آج تک کسی کو پیار نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر (افسوس کی) نظر ڈالتے ہوئے فرمایا: (من لا يَرحم لا يُرحم) جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا. (صحیح البخاری 5957)

خلاصہ کلام:

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد ہماری فرمانبرداری کرے تو ہمیں شریعت اسلامیہ کے مطابق تربیت کرنا ہوگا، نمازوں کا پابند بنانا ہوگا، قرآن وسنت کی تعلیمات سے روشناس کرانا ہوگا، تبھی ہماری یہ خواہش پوری ہوسکتی ہے ورنہ ہم یہاں بھی ذلیل وخوار ہونگے اور آخرت میں بھی جوابدہ ہونگے.

ربّ العالمین ہمیں حسن تربیت کی توفیق دے اور نئی نسل کی اصلاح فرمائے رب العالمین ہمیں اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے والدین کا فرمانبردار بنائے آمین.

برادوست دینی واخلاقی انحراف کااولین سبب

نسیم لعل الجامعی (طالب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ)

انسان فطری طور پر مدنی الطبع واقع ہوا ہے، وہ سماج سے کٹ کر زندگی نہیں گزار سکتا، اسے زندگی میں کچھ ایسے مخلص اور نیک افراد کی ضرورت بارہا پڑتی ہے جو ایک طرف جہاں مصائب وآلام، غم وحزن میں اس کا سہارا بن سکیں وہیں دوسری طرف اس کے ایمان واخلاق اور کردار و شعور کو بہترین سانچے میں ڈھال سکیں جنہیں ہم دوست، رفیق، اور ہمدم جیسے مختلف الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک اچھادوست زندگی کی ناہمواریوں میں مددگار ہوتا ہے، ہمیشہ اچھائی و بھلائی کی دعوت دیتا ہے، انسان کے دین ومذہب اور اخلاق وسلوک کو سنوارنے کی کوشش کرتا ہے گویا کہ حقیقی دوست انسان کی زندگی کا وہ اہم اور قیمتی سرمایہ ہے جسے ہر انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوستی کی اسی اہمیت وضرورت کے پیش نظر مذہب اسلام نے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اس کی اہمیت کااندازہ اس بات لگا سکتے ہیں کہ اللہ نے مومنوں کو خطاب کرکے فرمایا:(إنما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا (المائدۃ:55)"تمہارے دوست تو صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول اور ایماندار لوگ ہیں"۔

گویا دوستی بڑی عظیم نعمت ہے، اور اللہ سے دوستی اس سے بھی عظیم ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ مومنین و مومنات کو آپس میں ایک دوسرے کا سچا دوست قرار دیتے ہوئے فرمایا: ((والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض))(التوبة:71) " اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں"۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے اچھے دوست کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:(إِنَّمَا مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ، والجَلِيسِ السَّوْءِ، كَحامِلِ المِسْكِ، ونافِخِ الكِيرِ، فَحامِلُ المِسْكِ: إمَّا أنْ يُحْذِيَكَ، وإمَّا

أنْ تَبْتاعَ منه، وإمَّا أنْ تَجِدَ منه رِيحًا طَيِّبَةً، ونافِخُ الكِيرِ: إمَّا أنْ يُحْرِقَ ثِيابَكَ، وإمَّا أنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً).(صحیح البخاري:5534، صحیح مسلم:2628)

"نیک ساتھی کی مثال کستوری فروش کی سی ہے اور برا ساتھی کی مثال بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے۔ کستوری بیچنے والا یاتو از خود تجھے خوشبو دے دے گا یاتو اس سے خرید ہی لے گا(اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوئیں تو) یا کم از کم تجھے اس کی خوشبو حاصل ہوتی ہی رہے گی، رہا بھٹی دھونکنے والا یا تو وہ تیرے کپڑے جلادے گا یا تجھے ناگوار دھواں حاصل ہوگا"۔ یعنی ایک اچھا دوست انسان کو ہمیشہ فائدہ ہی پہونچانے کی کوشش کرتا ہے جبکہ برے دوستوں سے ہمیشہ نقصان ہی پہونچتا ہے۔

مذہب اسلام نے دوستی ودشمنی کے لیے ایک عظیم اور شاہکار اصول عطا کیا ہے جسے ہم **"الولاءوالبراء"** سے تعبیر کرتے ہیں، یہ اصول انسان کو خالص اللہ کے لیے دوستی ودشمنی کی تعلیم دیتا ہے، یہ متقین وصالحین کے ساتھ دوستی کا حکم دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ((يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين)) (التوبۃ:119) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد احادیث میں نیک اور مومن افراد سے دوستی کا حکم دیا ہے اور برے دوستوں سے کوسوں دور رہنے کی ترغیب دی ہے۔ حکم نبوی ہے:(**لا تصاحب إلا مؤمنا ولا يأكل طعامك إلا تقي**)(سنن الترمذي:2395 وحسنہ الألباني) مومن کے سوا کسی کی صحبت اختیار نہ کرو اور تمہارا کھانا صرف متقی ہی کھائے۔

اگر انسان حقیقی معنوں میں الولاء والبراء کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے دوستی کا انتخاب کرے، برے ہم نشینوں سے اجتناب کرے تو جہاں اس کا ایمان واخلاق محفوظ رہے گا وہیں اسے دنیا میں بھی نمایاں سرخروئی حاصل ہوگی اور ایسے نیک افراد کی دوستی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی برقرار رکھے گا((**الأخلاء يومئذ بعضهم لبعض**

عدو إلا المتقين))(الزخرف:67)

"سب لوگ اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی لوگوں کے"۔

مذکورہ بالا تمام نصوص شرعیہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دوستی صرف اللہ کے مومن، متقی اور پرہیزگار بندوں اور قرآن وسنت کے حاملین سے کرنی چاہیے،اللہ اوراس کے رسول کے دشمنوں،،دین وشریعت کے باغیوں،اور قرآن وسنت کے منکرین اور مخالفین کی دوستی سے کوسوں دور رہنا چاہیے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:((**يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء**)(الممتحنة 1) "اے مومنو! تم میرے اوراپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ"۔ یہ ایک امر واقع ہے کہ انسانی زندگی پر دوستی کے بہت ہی گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اس لیے انسان کی شخصیت،اس کی اہمیت اوراس کی قدر ومنزلت کا پتہ دوست ہی سے لگایا جاتا ہے اس لیے یہ مثل مشہور ہے کہ "درخت اپنے پھل اورانسان اپنے دوست سے پہچانا جاتا ہے" کیوں کہ دوست کے عادات واطوار،افکار ونظریات،اخلاق وکرداراور رہن سہن سے متاثر ہونا ایک فطری شئ ہے۔اسی حقیقت کی عکاسی کرتے ہوئے فارسی کے مشہور شاعر مولانا رومی نے کہا تھا:

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

کہ صحبت صالح سے انسان اچھا اور صحبت طالح سے برا ہوتا ہے۔اگر اچھے اور نیک لوگوں کی ہمنشینی اختیار کی جائے تو اس کے بڑے فوائد وبرکات حاصل ہوتے ہیں،اور زندگی پر بڑے ہی مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں،جبکہ برے لوگوں کی ہمنشینی اختیار کرنے پر دین واخلاق پر بہت ہی برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ایک اچھا اور سچا رفیق خیر وبھلائی کی دعوت دے گا،اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت،دین واعتقاد اور بہتر اخلاق وکردار پر ابھارے گا،بے حیائی وبرائی،فحاشی وبداخلاقی اور بے دینی وکجروی سے روکے گا،غائبانہ طور پر آپ کی عزت وغیرت کی حفاظت کرے گا،آپ کی کامیابی وکامرانی کا متمنی ہوگا،آپ کی کمزوریوں اور خامیوں کی نشان دہی کرے

گااور زندگی کے کربناک اور مشکل ترین حالات میں آپ کا سچا ساتھی ہوگا۔ جبکہ برادوست سب سے پہلے آپ کے دین و اعتقاد اور اخلاق و کردار کو بگاڑنے کی کوشش کرے گا، اس کی معصیت کے کارناموں اور برائیوں کے دلفریب سرابوں کو دیکھتے دیکھتے آپ بھی رفتہ رفتہ اس سے متاثر ہونا شروع ہو جائیں گے اور ایک دن ایسا آئے گا کہ آپ غیر شعوری طور پر مکمل اس کے جال میں پھنس جائیں گے پھر وہ برادوست آپ کو اپنی منشا کے مطابق استعمال کرے گا، آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے خلاف سازشیں رچے گا، آپ کے نیک اعمال اور اچھے کارناموں سے حسد کرے گا، وہ آپ کے رازوں کو موقع پاتے ہی فاش کردے گا جو آپ کی ذلت ورسوائی کا موجب بن جائے گا، برائیوں اور بدکاریوں پر آپ کی حوصلہ افزائی کرے گا اور آپ کی کمیوں اور غلطیوں کو مخفی رکھے گا تا کہ آپ اپنی اصلاح پر قادر نہ پاسکیں۔

اچھی اور بری صحبت کے انہیں ابدی اثرات وحقائق کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ مطلب صاف واضح ہے کہ اس کے اخلاق و کردار، رہن سہن اور دین ومذہب سے بڑی ہی تیزی سے متاثر ہوتا ہے لہذا اس معاملے میں انسان کو حد درجہ حساسیت، سنجیدگی اور غور وفکر سے کام لینا چاہیے۔

ارشاد نبوی ہے: ((الرجل على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل)) (سنن أبي داؤد:4833 وحسنہ الألباني، سنن الترمذي:2378 وحسنہ الألباني)

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے"۔

امام خطابی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا "المرء على دين خليله"۔ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تو صرف اس کو دوست بنا جس کی ایمانداری تجھے پسند ہو، کیوں کہ جب تو اسے دوست بنالے گا تو وہ تجھے اپنے دین ومذہب کی طرف لے جائے گا لہذا تو اپنے دین

کے معاملے میں دھوکانہ کھااورنہ ہی اپنے آپ کواس طرح خطرے میں ڈالناکہ تو ایسے شخص کودوست بنالے جس کے دین اور مذہب کوتوناپسند کرتاہو"۔ (کتاب العزلۃ:141)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ:"جس شخص کی وجہ سے دین ودنیا کا نقصان ہو اس کے ساتھ بیٹھنے سے حدیث میں منع کیا گیاہے اور جس کی وجہ سے دین ودنیا کا فائدہ ہو اس کے ساتھ بیٹھنے کی ترغیب دی گئی ہے" (فتح الباري 324/4)

قارئین کرام: کیاہم غور نہیں کرتے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا بری صحبت کے باعث جہنم رسید ہوگیا جبکہ ایک کتا جو انتہائی زیادہ نجس ہوتاہے نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ نیک لوگوں میں قیامت تک کے لیے ثبت کردیا۔((**وكلبهم باسط ذراعيه بالوصيد**))(الکھف:18)

اسی لیے عدی بن زید رحمہ اللہ نے کہا :

عن المرء لاتسئل وسل عن قرينه　　　فكل قرين بالمقارن يقتدي

اذا كنت في قوم فصحاحب خياره　　　ولا تصحب الاردى فتردى بالردي (أدب الدنيا والدين:167)

آدمی کے بارے میں پوچھنے سے پہلے اس کے دوست کے بارے میں پوچھو کیوں کہ ہر آدمی اپنے دوست کی پیروی کرتاہے۔

توجب لوگوں میں مل جل کر رہے تو ان میں سے بہترین شخص کو اپنا دوست بنا اور برے دوست کی صحبت اختیار نہ کر کیونکہ وہ تجھے بھی ہلاک وبرباد کردے گا۔

عصر حاضر میں لوگوں کی بگاڑ، بے حیائی وبرائی میں لت پت ہونے اور دینی واخلاقی انحرافات کا اولین سبب برے دوست کا انتخاب ہے۔ یہ انسان کی خام خیالی ہے کہ مجھ پر بروں کی صحبت اثرانداز نہیں ہوسکتی، ہمارا تو ایمان واسلام

بہت مضبوط ہے، ہم تو عمدہ اخلاق و کردار کے مالک ہیں بھلا ہم کو کون بگاڑ سکتا ہے ؟!! ہمیں دین ومذہب کے معاملے میں کون گمراہ کر سکتا ہے؟!!

کیا ہم اپنی سر کے آنکھوں سے معاشرے کا جائزہ نہیں لیتے کہ کتنے ایسے لوگ جو عابد وزاہد تھے لیکن بروں کی رفاقت کی وجہ سے برائی وبدکاری کی دلدل میں پھنس گئے، کتنے سارے دیندار حضرات بدعتیوں کی صحبت کے ناطے بدعات و خرافات میں ملوث ہوگئے، کتنے سارے مسلم لڑکے اور لڑکیاں کافروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور رہن سہن کی وجہ سے ارتداد کا شکار ہو گئیں؟

یہ تمام انسانی تجربات و مشاہدات، اور معاشرتی حقائق وو قائع اس بات کا پختہ ثبوت دیتے ہیں کہ لوگوں بالخصوص نوجوانوں کے دینی واخلاقی فساد کی ایک اہم وجہ بری سنگت ہے اس لیے مذہب اسلام نے گندے اور برے ساتھیوں سے سختی سے دور رہنے کا حکم دیاہے اور واضح طور پر ان کے انجام بد سے بھی ڈرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ((وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيه يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سبيلا يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خليلا لقد أَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جآءنِي وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا))[الفرقان:26-28]"اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا ہائے کاش کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آپہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔ یہی نہیں بلکہ برادوست دنیا میں عذاب الٰہی کی ایک شکل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ومن يعش عن ذكر الرحمن نقيض له شيطانا فهو له قرين)(الزخرف36)

"جو رحمن کی یاد سے غافل ہو جائے تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو کہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے"

برادوست دینی واخلاقی انحراف کا سبب کس طرح بنتا ہے ؟! وہ انسان کے اعتقادات و نظریات میں کس طرح شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے ؟!۔اس کا اندازہ ہم سورہ صافات کی درج ذیل آیات سے بآسانی لگا سکتے ہیں جس میں جنتی لوگ بروز قیامت اپنی مجالس میں دنیا میں گزارے ہوئے حالات پر باہم گفتگو کر رہے ہوں گے اتنے میں ایک جنتی کہے گا کہ میرا ایک دوست تھا جو بعث بعد الموت کا منکر تھا وہ مجھ سے بارہا کہا کرتا تھا کہ کیا تو بھی اس بات کو مانتا ہے کہ جب ہم مرنے کے بعد سڑ گل کر بوسیدہ ہو جائیں گے تو دوبارہ جزاو سزا کے لیے زندہ کئے جائیں گے پھر وہ جنتی بندہ اپنے دیگر جنتی بھائیوں کے ساتھ جہنم میں جھانکے گا تو اسے دہکتی ہوئی آگ میں پائے گا تو اسے مخاطب کر کے کہے گا کہ اگر مجھ پر اللہ رب العالمین کا فضل و کرم نہ ہوتا تو بہت قریب تھا کہ تو مجھے بھی گمراہ کر ڈالتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس پورے واقعے کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔

{ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ * قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ * يَقُولُ أَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ * أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَئِنَّا لَمَدِينُونَ * قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُطَّلِعُونَ * فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ*قَالَ تَاللَّهِ إِنْ كِدْتَ لَتُرْدِينِ * وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ)}(الصفات:50-53)

کیا ہم نے سیرت و حدیث کی کتابوں میں نہیں پڑھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا ابو طالب کس طرح برے دوستوں کے باعث جہنم رسید ہو گئے ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاکھ کوششیں کی کہ آپ ایک بار لا الہ الا اللہ کہ دیں تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے حق میں سفارش کر سکوں لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ ابو طالب کے سرہانے بیٹھے بدبخت اور مشرک دوست بار بار دین عبد المطلب کی غیرت دلاتے رہے.(صحیح بخاری/4675، مسلم/24) اللہ تعالیٰ نے کافروں، مشرکوں، منافقوں، اللہ و رسول کے باغیوں بدعتیوں اور دین واخلاق کے دشمنوں کی صحبت میں بیٹھنے سے سختی سے منع کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ((فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي

حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ))(النساء:140)" تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔(ورنہ) بے شک تم بھی اس وقت ان جیسے ہو"۔

بری دوستی کے باعث جہنمی لوگ بروز قیامت افسوس کریں گے کہ کاش ہم نے ہر ایرے غیرے کو دوست نہ بنایا ہوتا چونکہ اس دن نیک دوست اپنے دوستوں کی سفارش کریں گے جس کے سبب وہ جنت میں داخل ہوں گے اور یہ دیکھ کر بری صحبت کے حاملین اس دن پچھتاوا کریں گے کہ کاش ہمارا کوئی اچھا اور سچا دوست ہوتا جو ہماری سفارش کرتا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ * فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ * وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ) (الشعراء:99-101)

مذکورہ بالا تمام نصوص وشواہد کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ بری دوستی کے بہت ہی خطرناک نتائج ہیں، بری صحبت سے انسانی زندگی پر بہت ہی برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، برا ساتھی انسان کے دین واخلاق کے بگاڑ میں اہم کردار ادا کرتا ہے، برا ہمدم سلو پوائزن کے مثل ہے جو انسان کی اخلاقیات ودینیات کو آہستہ آہستہ موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

اللہ ہمیں مومن، متقی اور قرآن وسنت کے متبعین سے دوستی قائم کرنے کی توفیق دے اور برے لوگوں کی صحبت سے بچائے آمین.

روافض اور قضیہ فلسطین

محمد عمر صلاح الدين يوسفي

رافضیوں کا وجود اسلامیان عالم کے لیے ایک بد ترین ناسور ہے۔ انہوں نے ہر محاذ پر اسلام دشمنی کا کردار نبھایا ہے۔ ان کی اپنی رافضی حکومت ہو یا دوسروں کی، جہاں بھی انہیں سازگار موقع ملا اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ ان کے سیاہ کارناموں، دہشت گردانہ کارروائیوں اور کالے کرتوتوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ تقیہ اور منافقت کے سہارے سے اہل السنہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ سنی مسلمانوں کو بھون بھون کر مارنے، انہیں بے گھر کرنے اور قتل کرنے میں جن اسلام دشمن رافضیوں کا سب سے بڑا ہاتھ رہا ہے انہیں لوگوں نے آج آزادی بیت المقدس اور اہل فلسطین کی حمایت کے نام پر اہل سنت مسلمانوں کے قلوب واذہان کو بے حد متاثر کیا ہے اور یوں باور کرایا ہے کہ گویا اسرائیلی یہودیوں کے خلاف فلسطینی سنی مسلمانوں کے یہی سب سے بڑے ہیرو اور باقی سب زیرو ہیں۔ جس کے نتیجے میں سنی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد خود سنی ملکوں کو گالیوں اور دشنام طرازیوں سے نوازتی ہے، ان پر لعنتیں بھیجتی ہے اور رافضیوں اور ان کے ایجنٹوں کو اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر حامی وہی خواہ سمجھتی ہے۔ اور اس سلسلے میں انتہائی افسوسناک امر یہ ہے کہ اہل سنت کے حلقوں میں ان رافضی بھیڑیوں کی مقبولیت اور پذیرائی سب سے زیادہ بلکہ کلی حصہ داری اخوانیوں، مودودیوں اسراریوں اور دیگر تحریکی جماعتوں سے وابستہ افراد کی ہے جو کہ درحقیقت ان کی بے بصیرتی اور بے علمی کی دلیل، متانت وسنجیدگی اور فکری پختگی سے تہی دامنی کی علامت اور جذباتیت وجنونیت سے پر ہونے کی نشانی ہے۔

اس تناظر میں ہر سنی مسلمان کو لازمی طور پر سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ مجوسی رافضیوں کا سرزمین شام کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ بالذات مسجد اقصی (بیت المقدس) کی بابت ان کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ حمایتِ فلسطین

اور آزادئ بیت المقدس کے نام پر جس جہاد کا ڈھنڈورا یہ پورے طنطنہ اور کروفر کے ساتھ پیٹ کر سنی مسلمانوں کو بے وقوف بناتے ہیں اور اس کے نام پر لوگوں کو ورغلاتے ہیں اس جہاد کا تصور ان کے ہاں کیا ہے؟ مزید یہ کہ سنی مجاہدین کے بارے میں ان کی رائے کیا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فلسطینی سنیوں سے ان کی ہمدردی اور غمگساری کی کیا حقیقت ہے؟

مذکورہ بالا تمام اہم عناصر پر شیعی مصادر ومراجع کی روشنی میں باختصار گفتگو کی جارہی ہے۔

قرآن وحدیث کے اندر جس ارضِ شام کی فضیلت کا تذکرہ ملتا ہے اس میں حالیہ سیریا سمیت **فلسطین**، لبنان اوراردن وغیرہ جیسے ممالک شامل ہیں۔ یہ پوراخطہ اسلامی نقطہ نظر سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے تاہم روافض کواپنے وجود سے لے کراب تک اس سرزمین سے بےانتہا عداوت ودشمنی ہے۔ جس سرزمین کو اللہ رب ذوالجلال نے قرآن مقدس کے متعدد مقامات پر ارض مبارکہ سے تعبیر کی ہے اس کو ان رافضیوں کے یہاں جھوٹی روایتوں کے سہارے **نحوست اور بے برکتی** کا آماجگاہ قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

لا تقولوا من أهل الشام، ولكن قولوا:من أهل الشؤم.

"تم یہ نہ کہو کہ وہ اہل شام میں سے ہیں بلکہ یہ کہو کہ وہ **نحوست والے** لوگوں میں سے ہیں"(1)

ان کی نفرت وعداوت کا ایک دوسرا مظہر اس روایت میں ملاحظہ فرمائیں جسے **محمد بن یعقوب کلینی** نے امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت یوں نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں:

---

(1) الحدائق الناضرۃ للبحرانی 149/18

"أهل الشام شر من أهل الروم، وأهل المدينة شر من أهل مكة، وأهل مكة يكفرون بالله جهرة" اہل شام رومیوں یعنی نصرانیوں سے بھی بد تر ہیں اور اہل مدینہ اہل مکہ سے بد تر ہیں اور اہل مکہ تو علانیہ اللہ کے ساتھ کفر کے مرتکب ہیں۔[2]

اسی طرح ابو بکر الحضرمی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ رحمہ اللہ سے پوچھا:

"أهل الشام شر أم أهل الروم فقال: إن الروم كفروا ولم يعادونا وإن أهل الشام كفروا وعادونا".

شامی زیادہ برے ہیں یا رومی؟ تو آپ نے فرمایا رومیوں نے صرف کفر کیا ہے، انہوں نے ہم سے دشمنی نہیں کی ہے جبکہ شامیوں نے کفر بھی کیا اور ہم سے عداوت بھی کی (لہذا شامی سب سے بد تر ہیں۔)[3]

قارئین کرام!

رافضیوں کا اس مبارک سرزمین شام سے بغض و حقد کا یہ مظہر آپ کے سامنے ہے جس میں فلسطین سمیت مسجد اقصی واقع ہے جس کی آزادی و حمایت کا جھوٹا نعرہ یہ تقیہ باز قوم لگاتی ہے۔ جبکہ اہل السنہ کے متعدد علما وائمہ نے ارضِ شام کے فضائل و مناقب سے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی در جنوں کتابیں تصنیف کی ہیں۔[4]

مسجد اقصی اور روافض

شیعی روایات میں مسجد اقصی کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے بلکہ ان کی کچھ روایتیں مسجد اقصی کے وجود کو اس دنیا میں ماننے سے انکاری ہیں۔ اور اگر اس کو ثابت مانتی بھی ہیں تو مسجد اقصی کی حیثیت مسجد کوفہ سے کہیں فروتر

---

[2] الكافي للكليني 409/2

[3] الكافي للكليني 410/2

[4] بطور مثال فضائل الشام ودمشق لأبي الحسن الربعي (ت:444ھ) فضائل الشام لابن عبد الهادي المقدسي (ت:774ھ) اور فضائل الشام لابن الحنبلي (ت:795ھ) وغیرہ ہیں۔

باور کراتی ہے۔ درج ذیل روایات پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ اہل رفض و تشیع کے یہاں مسجدِ کوفہ کے بالمقابل مسجد اقصی کی کوئی فضیلت واہمیت نہیں ہے۔

ابو عبداللہ جعفر صادق رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کن مسجدوں کو اسلام میں فضیلت حاصل ہے؟ تو انہوں نے مسجد حرام اور مسجد نبوی کا نام تو لیا(لیکن مسجد اقصی کا نام نہیں لیا)، سائل نے ان سے پوچھا کہ مسجد اقصی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

"ذاك في السماء إليه أسري رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم"

وہ دنیا میں نہیں بلکہ وہ تو آسمان میں ہے، جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں لے جایا گیا تھا۔ سائل نے آپ سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ بیت المقدس ہی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس (بیت المقدس) سے افضل تو مسجدِ کوفہ ہے۔[5]

ایک دوسری روایت دیکھیں جس میں صاف طور پر مسجد اقصی کی تنقیص کی جاتی ہے اور اس کے بالمقابل مسجد کوفہ کی فضیلت کے انبار لگائے جاتے ہیں۔ یہی ابو عبداللہ جعفر صادق رحمہ اللہ ہی سے روایت ہے کہ ایک آدمی سیدنا امیر مومنین علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے آکر آپ کو سلام عرض کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا:

"جعلت فداك إني أردت المسجد الأقصى فأردت أن أسلم عليك وأودعك"

میں آپ پر قربان جاؤں، میں نے مسجد اقصی کی زیارت کا قصد کیا ہے، اس لیے میں نے چاہا کہ آپ کو الوداعیہ سلام عرض کرکے ہی نکلوں۔

---

(5) بحار الانوار للمجلسی 405/97

توسیدنا علی نے فرمایا:

"وأي شئ أردت بذلك؟کہ اس سفر سے تمہارا کیاارادہ ہے؟"

تواس نے کہاکہ مسجد اقصی کی فضیلت کا حصول میرا مقصد ہے۔اس پر آپ نے فرمایا:

"فبع راحلتك وكل زادك وصل في هذا المسجد فإن الصلاة المكتوبة فيه حجة مبرورة والنافلة عمرة مبرورة والبركة فيه على اثني عشر ميلا"

توتم اپنی سواری کو بیچ دواور جوزادِ راہ تم نے تیار کی ہے اسے کھالواوراسی مسجد کوفہ میں تم نماز پڑھو اس لیے کہ یہاں فرض نماز کی ادائیگی حج مبرور اور نفلی نمازوں کی ادائیگی عمرے کے برابر ہے۔[6]

اسی روایت پرابو جعفر محمد بن حسن العاملی (ت:1104ھ) نے یہ باب قائم کیاہے:

(باب استحباب اختيار الإقامة في مسجد الكوفة والصلاة فيه على السفر إلى زيارة المسجد الأقصى.)

کہ مسجد اقصی کی زیارت کی غرض سے سفر کرنے سے کہیں بہتر مسجد کوفہ میں ٹھہرنااوراس میں نماز پڑھناہے۔[7]

بلکہ ظالم رافضیوں کے ظلم وستم کی انتہادیکھیں کہ جوروایت اہل السنہ محدثین کی کتابوں میں تین مسجدوں کی طرف اجر وثواب کی نیت سے سفر کرنے سے متعلق تھی اس میں انہوں نے تحریف وترمیم کرکے مسجد اقصی کی جگہ مسجد

(6) الكافي للشيخ الكليني 492/3

(7) وسائل الشيعہ 261/5

کوفہ کو داخل کر دیا۔ چنانچہ علی بن حسین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سیدنا امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لا تشد الرحال إلا إلي ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، ومسجد الرسول صلى الله عليه وآله ومسجد الكوفة."

تین مسجدوں کے سوا کسی اور کے لیے اجر وثواب کی نیت سے کجاوے نہ باندھے جائیں (یعنی سفر نہ کیا جائے) ایک مسجد حرام، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اور تیسرے **مسجد کوفہ**۔[8]

ابو بکر الحضری سے روایت ہے کہ انہوں نے ابو جعفر باقر رحمہ اللہ سے کہا:

أي البقاع أفضل بعد حرم الله وحرم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم

کہ مسجد حرام اور حرم نبوی کے بعد سب سے افضل ترین جگہ کون سی ہے؟ تو باقر علیہ الرحمہ نے فرمایا: کوفہ۔[9]

اسی طرح بہت ساری شیعی روایات میں جب افضل ترین مسجدوں میں اجر و ثواب کی بات آتی ہے تو اس میں مسجد اقصی کی جگہ مسجد کوفہ وغیرہ کا تذکرہ ملتا ہے جس سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ ان کے ہاں بیت المقدس کی قطعا کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جیسا کہ ابو عبداللہ جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

"تتم الصلاة في أربعة مواطن: في المسجد الحرام، ومسجد الرسول، ومسجد الكوفة، وحرم الحسين (عليه السلام)."

([8]) وسائل الشیعۃ العاملی 262/5

([9]) تھذیب الأحکام، للطوسي 31/6

چار مقامات پر نماز مکمل طور پہ ادا ہوتی ہیں: مسجد حرام، مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مسجد کوفہ اور حرم حسین رضی اللہ عنہ [10]

قارئین خود فیصلہ کریں کہ ان من گھڑت روایتوں کے ذریعہ سے مسجد اقصیٰ کی توہین و تحقیر نہیں تو اور کیا مقصود ہے؟ صحیحین کی روایت کے مطابق مسجد اقصی تین مسجدوں (مسجد حرام، مسجد نبوی، بیت المقدس) میں سے اجر وثواب کے اعتبار سے تیسری سب سے زیادہ فضیلت والی مسجد ہے۔ لیکن آپ دیکھیں کہ **سبائی شریعت** میں اس مسجد کی اہمیت وفضیلت کو نہ صرف کم تر دکھانے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ مسجدِ کوفہ جس کی اسلامی شریعت میں کوئی فضیلت نہیں ہے، اسے اس مسجد مقدس کے ہم پلہ و مساوی اور اس سے کہیں اعلی وارفع قرار دیا گیا۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ افسوسناک اور حیرت انگیز روایات وہ ہیں جو نہ صرف حرمین شریفین کی اہانت و حقارت سے لبریز ہیں بلکہ ان کے انہدام سے لے کر تخریب کاری اور فساد انگیزی تک معاملہ جا پہنچتا ہے اور اس شر وفساد کو برپا کرنے کی ذمہ داری امام غائب کے کندھوں پر ڈالی جاتی ہے۔

بنا بریں ہم صاف طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کربلائی مجوسیوں کے ہاں حرمین شریفین کی کوئی کی قدر و منزلت ہے اور نہ ہی مسجد اقصی کی حرمت و تقدس کا کوئی پاس ولحاظ۔ بلکہ یہ مقدسات اسلامیہ کے گستاخ اور دشمن ہیں۔ واضح رہے کہ ہم اس امر کے ہرگز انکاری نہیں ہیں کہ مذکورہ تمام روایتوں کے برخلاف بھی روایتیں ان کی کتابوں میں پائی ہیں۔ [11] تاہم ان کا عملی تواترا نہیں روایتوں سے مستفاد ہے جن میں سے کچھ اوپر گزر چکی ہیں۔

---

(10) وسائل الشیعۃ للحر العاملی 531/8

(11) جیسا کہ واقفانِ حال جانتے ہیں کہ شیعہ مذہب اختلافات، تضادات اور تناقضات کا ملغوبہ ہے۔ اس حوالے سے خود بانیانِ مذہب نے اپنی کتابوں میں موجود روایات کے مابین تعارض و ٹکراؤ کا اعتراف کیا ہے اور بصراحت یہ بات کہی ہے کہ کوئی ایک بھی شرعی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس میں مختلف روایات نہ پائی جائیں۔ شیعہ کی چار معتبر ترین کتابوں میں سے ایک **تہذیب الاحکام** کا مصنف شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی اپنی اسی کتاب کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

رافضیوں کا جہاد

رافضیوں کے ہاں مہدی موعود کے بغیر **جہاد** کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا ہے اس لیے ان کے نزدیک کوئی بھی شخص اگر علم جہاد بلند کرتا ہے خواہ وہ اپنے مقصد میں کتنا ہی مخلص نہ ہو تو وہ طاغوت ہے۔ چنانچہ محمد بن یعقوب کلینی کی نقل کردہ ایک روایت کے مطابق جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كل راية ترفع قبل قيام القائم فصاحبها طاغوت يعبد من دون الله عز وجل" مہدی موعود کے ظہور سے پہلے جو بھی علم جہاد بلند کیا جائے اس علم جہاد کا نمائندہ طاغوت ہوگا (گو کہ حق کا داعی ہی کیوں نہ ہو)۔ (12)

"ذاكرني بعض الأصدقاء ابره الله ممن أوجب حقه علينا بأحاديث أصحابنا أيدهم الله ورحم السلف منهم وما وقع فيها من الاختلاف والتباين والمنافاة والتضاد حتى لا يكاد يتفق خبر إلا وبإزائه ما يضاده ولا يسلم حديث إلا وفي مقابلة ما ينافيه حتى جعل مخالفونا ذلك من اعظم الطعون على مذهبنا.."

بعض دوستوں نے مجھے ائمہ اہل بیت سے مروی احادیث سے متعلق جو کچھ روایات میں اختلاف وتضاد بیانی کے پائے کی یاد دہانی کروائی اور یہ بھی بتلایا کہ ایسی کوئی ایک روایت نہیں ہے جس کے بالمقابل اسی کے عین برخلاف دوسری روایت موجود نہ ہو یہاں تک کہ ہمارے مخالفین (اہل السنہ) اس کو شیعی مذہب میں موجبِ طعن سمجھتے ہیں۔ (تہذیب الاحکام للطوسی 2/1)

اسی طرح سید دلدار علی لکھنوی اپنی کتاب اساس الاصول میں لکھتا ہے:

"إن الأحاديث المأثورة عن الأئمة مختلفة جدا لا يكاد يوجد حديث إلا وفي مقابل ما ينافيه ولا يتفق خبر إلا وبإزائه ما يضاده"

ائمہ اہل بیت سے مروی روایات میں غایت درجے کا اختلاف پایا جاتا ہے یہاں تک کہ کوئی ایسی حدیث نہیں ہے کہ اس کے بالمقابل اور اس کے برخلاف روایت ضرور پائی جاتی ہے۔ (اساس الاصول ص: 51 لکھنو، الھند)

(12) الکافی للشیخ الکلینی ج 295/8

اسی طرح علی بن حسین رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

"واللہ لا یخرج أحد منا قبل خروج القائم إلا کان مثله کمثل فرخ طار من وکره قبل أن یستوي جناحاه فأخذه الصبیان جثوا به."

اللہ کی قسم ہم (شیعوں) میں سے جو شخص بھی مہدی منتظر سے پہلے جہاد کا علمبردار ہوگا تو اس کی مثال بالکل اس چوزے کی طرح ہوتی ہے جو اپنے پروں کے سہارے چلنے، پھرنے اور اڑان سیکھنے سے پہلے ہی اپنے گھونسلے اور آشیانے سے نکل جاتے ہیں اور پھر چھوٹے بچے اسے پکڑ کر دونوں پیروں پر کھڑا کر کے کھیلتے ہیں۔[13]

یعنی ہم امام غائب کی عدم موجودگی میں اپنے اندر جہادی حرکت و عمل میں خواہ مخواہ مشغول نہ ہوں گے کیونکہ ہماری اصل طاقت و قوت کا محور مہدی منتظر ہی ہیں ان کے بغیر ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

بالکل یہی بات ان کا روحانی پیشوا آیت الشیطان خمینی بھی کہتا ہے:

"في عصر غیبة ولي الأمر وسلطان العصر عجل اللہ فرجه الشریف یقوم نوابه العامة وهم الفقهاء الجامعون لشرائط الفتوی والقضاء مقامه في إجراء السیاسات وسائر ما للإمام إلا البدأة بالجهاد"

ولیِ امر اور بادشاہِ وقت (امام غائب) کی غیر موجودگی میں **جہاد کے سوا** تمام تر سیاسی اور غیر سیاسی امور و معاملات کی انجام دہی ان کے نمائندگان کریں گے جو قضا اور فتوے کے جملہ شرائط پر کھرے اترنے والے فقہاء ہیں۔[14]

([13]) وسائل الشیعۃ: 36/11

([14]) تحریر الوسیلۃ 482/1

ایک طرف تو خمینی اور اس کے پیشرؤوں کا یہ فتوی ہے کہ امام غائب کی غیر موجودگی میں جہاد نہیں ہو سکتا دوسری طرف جب ان کی رافضی انقلابی حکومتی ایران میں قائم ہوتی ہے تو اس کے دستور میں صاف طور پر یہ لکھا جاتا ہے کہ:

"فإن جيش الجمهورية الإسلامية وقوات حرس الثورة الإسلامية لا يتحملان فقط مسؤولية حفظ وحراسة الحدود، وإنما يتكفلان أيضا بحمل رسالة عقائدية، أي: الجهاد في سبيل الله والنضال من أجل توسيع حاكمية قانون الله في كافة أرجاء العالم. "

اسلامی جمہوریہ کی فوج(Army of the Islamic Republic)اور اسلامی انقلابی گارڈ کورپس (IRGC)یعنی سپاہِ پاسدارانِ انقلابِ اسلامی ان دونوں اداروں کی ذمہ داری صرف سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ عقائد و نظریات کے پیغام کی بخوبی انجام دہی کے بھی مکلف ہیں یعنی دنیا کے تمام خطوں میں قانون الہی کی حاکمیت کے دائرہ کار کو وسیع تر کرنے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ اور قتال میں بھی انہیں حصہ لیناہوگا۔(15)

پھر کیا تھا خمینی نے آکر ولایت الفقیہ جیسے تجدد پسندانہ نظریے کے تحت رافضیوں میں جہاد کے نام پر شر وفساد کی خوب آگ لگانے کی کوشش کی اور اس نے صاف طور پر یہ کہا کہ:

"نحن لا نملك الوسيلة إلى توحيد الأمة الإسلامية وتحرير أراضيها من يد المستعمرين وإسقاط الحكومات العميلة لهم، إلا أن نسعى إلى إقامة حكومتنا الإسلامية، وهذه بدورها سوف تتكلل أعمالها بالنجاح يوم تتمكن من تحطيم رؤوس الخيانة، وتدمر الأوثان والأصنام البشرية التي تنشر الظلم والفساد في الأرض"

---

(15)الدستور لجمهوریۃ ایران الاسلامیۃ: ص16

ابھی تو ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ امتِ مسلمہ (روافض) کو متحد کرکے ان کے ملکوں کو استعماری طاقتوں سے آزاد کرواسکیں اور ان کے اشارۂ ابرو پر چلنے والے حکومتی ایجنٹوں کو گراسکیں، البتہ ہم اپنی اسلامی حکومت قائم کرنے کی سعی پیہم کریں گے اور یہی اسلامی حکومت اپنا مرکزی کردار نبھاتے ہوئے پوری کامیابی کے ساتھ ایک دن اس مقام پر پہنچے گی کہ غداروں اور خیانت کاروں کو توڑ پھوڑ کرر کھ دے گی اور ان انسان نمابتوں اور مجسموں کو تباہ وبرباد کرکے رکھ دے گی جو زمین میں ظلم وفساد مچانے پر تلے ہوئے ہیں۔[16]

بہر حال اس سبائی مذہب میں اسلامی جہاد کا کوئی تصور نہیں ہے البتہ ماضی قریب میں خمینی کے نظریۂ ولایت الفقیہی کے تحت دہشت گردانہ عزائم اور خونخوارانہ منصوبوں کا ثبوت ضرور ملتا ہے۔اس لیے اس مجوسی مذہب کے افراد اوران کی جماعتوں سے آزادیٔ بیت المقدس کا خواب دیکھنالا حاصل ہے۔اللہ تعالی ان انسانیت دشمن بھیڑیوں کے خواب کو ملیامیٹ کردے۔

سنی مجاہدین جہنمی مردے ہیں!!

بھولے بھالے سنی مسلمان جن رافضیوں سے آزادی فلسطین کی امید لگائے بیٹھے ہیں انہیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ رافضیوں کے ہاں تو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے جہنمی مردے ہیں۔آپ تصور کریں کہ اسلامی تاریخ کے وہ مجاہدین جنہوں نے اسلامی سرحدوں کی حفاظت کی ، شہرت وناموری سے دور خالصتالوجہ اللہ جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا، ایران ومصر اور روم ویونان کی بستیوں کو اسلامی سرحدوں کے زیر نگیں کیا وہ سب کے سب جاں بحق ہونے والے ان رافضیوں کی نظر میں محض عام مقتولین ہیں جن کے لیے جہنم منتظر ہے، انہوں نے اپنے بدترین ٹھکانے کو پانے میں جلد بازی سے کام لیا۔

---

(16) الحکومۃ الاسلامیۃ: ص35

شیخ الطائفہ طوسی کی بیان کردہ روایت کو دیدۂ بصیرت سے پڑھیں اور غور کریں کہ روافض ہم اہل سنت کے تئیں کتنا بدترین نظریہ رکھتے ہیں۔

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے عرض کیا:

"جعلت فداك ما تقول في هؤلاء الذين يقتلون في هذه الثغور؟"

میں آپ پر قربان جاؤں ذرا یہ بتائیں کہ (اسلامی) سرحدوں کے تحفظ کی خاطر جاں بحق ہونے والے فوجی سپاہیوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

"الويل يتعجلون قتلة في الدنيا، وقتلة في الآخرة، والله ما الشهيد إلا شيعتنا ولو ماتوا على فرشهم"

یہ لوگ جہنم میں جانے کے لیے جلد بازی کرتے ہیں، یہ دنیا میں تو مردے ہیں ہی آخرت میں بھی مردے ہیں۔ اللہ کی قسم شہید صرف وہ ہے جو ہمارے شیعہ گروہ سے تعلق رکھتا ہے خواہ وہ اپنے بستر پر ہی کیوں نہ مر جائے۔[17]

کیا ایسی قوم سے ایک سنی ریاست فلسطین کی آزادی کا خیال ہم اپنے ذہن میں لا سکتے ہیں جو ان کے مجاہدین تک کے بارے میں اتنی خبیث رائے رکھتی ہو؟

---

[17] تہذیب الاحکام، کتاب الجہاد، باب المرابطۃ فی سبیل اللہ 138/6

یہ روایت شیعوں کے ہاں کافی معروف ہے یہاں تک کہ پچھلے دنوں فلسطینی تنظیم حماس کے سربراہ اسماعیل ہانیہ کی وفات پر بعض شیعوں نے اس روایت کو شوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر خوب نشر کیا۔ جس کے توسط سے انہوں نے یہ پیغام دینے کی کوشش کہ سنیوں کے اس نام نہاد مجاہد کی ہم شیعوں کے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی برے انجام کو پہنچ چکا ہے۔

سنی مسلمانوں سے ہمدردی

اہل سنت مسلمانوں کے حق میں یہود و نصاری اور دیگر کفریہ قوموں کے خلاف رافضیوں کا جہاد کرنا تو دور کی بات ہے یہ تو خود کلمہ گو مسلمانوں کے اتنے جانی دشمن ہیں اور ان کے بارے میں ان کی کتابوں میں اتنی جارحانہ اور دہشت گردانہ نظریات پائے جاتے ہیں جس سے پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس کے باوجود نہ جانے کچھ سنی مسلمانوں کی فکر و نظر میں اس قدر جھول کیوں ہے۔ انہیں رافضیوں اور ان کے ہر کاروں کارندوں سے اتنی محبت کیوں اور کیسے ہو جاتی ہے۔ جبکہ مختلف تاریخی ادوار میں ان کی طرف سے اہل سنت مسلمانوں کے ساتھ موقع ملنے پر جو انسانیت سوز کاروائی کی گئی ہے۔ آپ کو زیادہ ماضی میں جانے کی ضرورت نہیں ہے صرف گزشتہ دو دہائیوں میں ان کی مجرمانہ، قاتلانہ، سفاکانہ اور ظالمانہ کاروائیوں پر غور کریں اور عراق و سیریا وغیرہ میں ان کی دہشت گردانہ سرگرمیوں کو اپنے ذہن میں رکھیں تو ان کی نہ صرف مسلمان دشمنی آشکارا ہو جاتی ہے بلکہ ان سبائی مذہب کے پیروکار بے رحم بھیڑیوں نے یہود و نصاری سے بڑھ انسانیت دشمنی کی مثال قائم کی ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ ان کے مجوسی مذہب میں اسی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس حوالے سے چند روایتیں شیعی کتابوں سے پیش خدمت ہیں تاکہ جو لوگ رافضیوں کے تئیں حسن ظن کے شکار ہیں اور انہیں اپنا معاون و خیر خواہ سمجھتے ہیں، ان کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ ہوش کے ناخن لیں۔

سب سے پہلے آپ رافضیوں کی اہل سنت مسلمانوں کے بالمقابل اس احساس برتری کو دیکھیں جسے شیعہ محدث ملا محمد باقر مجلسی اصفہانی (۱۰۳۸ھ_۱۱۱۱ھ) نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"إن الله خلق المؤمن من طينة الجنة وخلق الناصب من طينة النار"

اللہ تعالی نے مومن (شیعوں) کو جنت کی مٹی سے پیدا کیا ہے اور ناصبی یعنی اہلسنت مسلمانوں کو جہنم کی مٹی سے پیدا کیا ہے۔[18]

اور پھر اسی بنیاد پر آپ دیکھیں گے کہ ان رافضیوں کے ہاں فقہی کتب وابواب میں نواصب کے احکام ومسائل سے متعلق جارحیت اور سفاکیت کی خوب تعلیم دی گئی ہے۔ واضح ہے کہ ان رافضیوں کے نزدیک نواصب سے مراد علی الاطلاق اہل سنت مسلمانوں ہوتے ہیں۔

چنانچہ ملا باقر مجلسی نے اپنی سند سے ابن فرقد کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ اس نے ابوعبداللہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

"ماتقول في قتل الناصب"

ناصبی (اہل سنت مسلمانوں) کو قتل کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

آپ نے فرمایا:

"حلال الدم أتقي عليك، فإن قدرت أن تقلب عليه حائطا أو تغرقه في ماء لكي لايشهد به عليك فافعل"

---

[18] بحار الانوار: 25/9

اس کا خون حلال ہے (لیکن ایسی حالت میں اس کی طرف سے) مجھے تمہارے بارے میں ضرر کا اندیشہ لاحق ہے لہذا اگر تمہارے بس میں ہو تو اس کے اوپر دیوار گرا کر یا اسے کہیں پانی میں ڈبو کر مار دو تاکہ وہ تمہارے خلاف گواہی بھی نہ دے سکے۔

پھر میں نے پوچھا کہ اس کے مال کو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: اسے برباد کر دو۔[19]

نعمت اللہ الجزائری مزید ایک جگہ لکھتا ہے کہ :

"يجوز قتلهم_أي النواصب_ واستباحة أموالهم"

ان ناصبی (اہل سنت مسلمانوں کا قتل کرنا اوران کے خون کو بہانا جائز ہے۔(الأنوار النعمانیۃ: ۳۰۷/۲) بہر حال یہ لوگ مسئلۂ امامت کی بنیاد پر پوری ملت اسلامیہ کی تکفیر کرتے ہیں اور یہود و نصاری سے بدتر قرار دیتے ہیں۔ان کے جان و مال کو حلال سمجھتے ہیں۔اور افراد اہل سنت کو نواصب، عوام اور مخالفین کہہ کر اپنی اصول وفروع کی کتابوں میں دائمی جہنمی قرار دیتے ہیں۔

اب بھلا کوئی سنجیدہ انسان یہ بتائے کہ جس قوم کے اتنے خطرناک دہشت گردانہ اور خونی نظریات ہوں کیا وہ کبھی اہل اسلام کے تئیں مخلص ہوسکتی ہے؟ اس لیے "تحریر القدس" اور آزادی فلسطین کا پرفریب نعرہ لگانے والے رافضی تنظیموں سے فلسطین واہل فلسطین کے حق میں کسی مثبت اقدام کی توقع رکھنا تصورِ خام ہے۔ان سے تعاون اور ہمدردی کی امید رکھنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص شجرۂ حنظل سے لذیذ میووں کی آس لگائے بیٹھا ہو۔

([19]) بحار الأنوار: 231/27

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ روافض کا قضیۂ فلسطین اور بیت المقدس سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی مقدسات کے دشمن اور مسلمانوں کی بے لاگ تکفیر کرنے والے اور ان کی جان و مال کو حلال سمجھتے ہیں چہ جائیکہ ان سے اہل اسلام کی حمایت کی توقع رکھی جائے۔

نوٹ: پچھلے دنوں لبنانی تنظیم کے رافضی راہنما مجوسی دہشت گرد کی ہلاکت پر کفِ افسوس ملنے والے، فلسطینی سنیوں کا مسیحا باور کرانے والے ور اس نجسِ مجسم کو شہادت کی سرٹیفکیٹ بانٹنے والے یتیم الفکر تحریکیوں کے افسوسناک طرز عمل پر یہ تحریر معرضِ وجود میں آئی۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

چلو کہ انتظار ہے!

اثرِ قلم: عتیق اثر

بموقعہ پینتیسویں اجلاس عام آل انڈیا کانفرنس، دہلی۔ منعقدہ: بتاریخ 9-10 نومبر 2024ء

اگرچہ دکھ ہزار ہے
بہ فیضِ میر کارواں
فضا بھی سوگوار ہے
چلو کہ انتظار ہے

گلوں سے خار سے ملو
عدو و یار سے ملو

ابھی جو کم اُجالا ہے
چمن میں خوش نواؤں کا
سویرا ہونے والا ہے
بسیرا ہونے والا ہے

اداسیاں گزر گئیں
شگفتگی میں ڈھل گئی

جو انجمن در انجمن
اب اس پہ مستزاد ہے
ہائے شورِ نغمۂ کہن
بطرزِ نو رُخِ سخن

ادا شناسِ پیچ وخم
بتائیں گے رموزِ غم

ہزار داستاں لئے
جو پھرتے تھے دکاں دکاں
زبانِ مہرباں لئے
دوائیں دردِ جاں لئے

یہاں وہی تو آئیں گے
علاجِ دل بتائیں گے

اداسیوں کو چھوڑ کر
ہزار ہوں رکاوٹیں
نشاطِ دل کو موڑ کر
ہر ایک بند توڑ کر

بنو بہادر و جری
دکھاؤ طرزِ دلبری

چمن سے برگ کا ورق
سمندروں سے موج
گلوں سے تازگی، رَمق
کشتیوں سے حفظ کا سبق

دکھا کے الفتِ بیاں
بناؤ ایک نیا جہاں

ہیں آپ کے رفیق اگر
انہیں بھی ساتھ لیجیے
یہیں کہیں عتیق اثر
ہو گرمِ گفتگو سفر

سفر وسیلۂ ظفر
ہے مشکلوں سے معتبر